

ہندستانی

ہندستانی اکیڈمی کا تہائی رسالہ

جلد ۲ { جنوری سنہ ۱۹۳۲ء } حصہ ۱

شاہ ظہور الدین حاتم

(از ڈاکٹر مہی الدین نادر زور ایم اے ، پی ایچ ڈی)

ہماری گفتگو سب سے جدا ہے
ہمارے سب سخن ہیں بانگین کے
وہی ہیں ریختہ کے فن میں استاد
جو ہیں گئے شہا حاتم کے فن کے

شاہ حاتم اردو کے ایک بہت بڑے شاعر تھے اور بڑے بڑے شاعروں کے استاد بھی ' اُن کی صحیح عظمت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ وہ دہلی کے اُن دو تین ابتدائی صاحبانِ ذوق میں سے ہیں جنہوں نے " دیوان ولی " کے مطالعہ کے بعد فارسی گوئی ترک کر کے اردو میں شعر کہنا شروع کیا لیکن یہ فخر حاتم ہی کو حاصل ہے کہ وہ پہلے سخنور ہیں جنہوں نے مستقل طور پر اردو شاعری شروع کی ' اس کا چرچا کیا اور مسلسل ستر برس تک اُسی کی خدمت میں منہمک رہے - اردو کا شاید ہی کوئی شاعر ایسا نکلے جسے اتنے طویل عرصہ تک شاعری کرنے

کا موقعہ ملا ہو اور جو قابل قدر شاعروں کے ایک ایسے وسیع سلسلے کا اُستاد ہو -

ایک ایسے قابل قدر شاعر کے متعلق بھی اُس وقت تک ہمارے یہاں بہت کم لکھا گیا ہے - اِس کا باعث ایک تو یہ ہے کہ شاہ حاتم کی زندگی اور کلام پر تحقیقات کرنے کے لیے ہندوستان میں بہت کم مواد موجود تھا اور دوسرے یہ کہ جو کچھ آزاد نے ”آب حیات“ میں لکھ دیا اُس کو آخری لفظ سمجھ لیا گیا ہے۔ آزاد کے بعد اگر کسی نے اِس موضوع کی طرف توجہ کی تو وہ مولانا حسرت موہانی ہیں - انہوں نے ”آردو معلیٰ“ (علی گڑھ - نمبر ۶ - جلد ۱ - نومبر سنہ ۱۹۰۹ء) میں حاتم کے کچھ حالات اور چند غزلیں پیش کی ہیں - لیکن ان کا مضمون ظاہر کرتا ہے کہ انہیں بھی کافی معلومات حاصل نہیں ہوئیں -

لندن میں جب راقم کو اُردو کے اکثر شہ کاروں کے مطالعہ کا موقعہ ملا تو حاتم کے عجیب و غریب ”دیوان زادہ“ کی بھی زیارت نصیب ہوئی - ”دیوان زادہ“ اپنی گوناگوں خصوصیتوں کے لحاظ سے اُردو کے تمام دیوانوں میں نرالی حیثیت رکھتا ہے اور پھر خوبی یہ ہے کہ خود شاہ حاتم کے قلم سے سنہ ۱۱۷۹ھ میں (گویا آج سے ایک سو ستر برس پہلے) لکھا گیا ہے - اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں زبان اُردو کے درجہ بدرجہ ارتقا، لفظوں اور ترکیبوں کی تبدیلیاں اور محاوروں اور لب و لہجہ کے اختلاف تاریخ وار مندرج ہو گئے ہیں - یہ ایک ایسا کمیاب مواد ہے جس کی اہمیت کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو ہندوستانی زبان کی لسانی ساخت پر غور و خوض میں مصروف ہیں - چنانچہ اس کارنامہ کے مطالعہ کے سانہ ہی

منجھے حاتم کی زندگی اور اُن کے کلام کی نوعیت کے متعلق تحقیقات کرنے کا خیال پیدا ہوا ، اور حسن اتفاق سے یورپ ہی کے متفرق کتب خانوں میں اُس موضوع کی نسبت بہت سی معلومات حاصل ہو گئیں ۔

چونکہ حاتم اور اُن کے ہم عصروں کے بہت سے حالات و خیالات اس وقت تک بے نقاب نہیں ہوئے تھے ، اور اُس طرح ہمارے ادب و زبان کی تاریخ کے ایک اہم درر کی نسبت ہماری معلومات بہت محدود تھیں ، اس کے علاوہ یہ ظاہر ہے کہ نوجوانوں کے اعلیٰ ذہنی ارتقا اور صحیح ادبی تربیت کی بزرگداشت کے لئے قدیم علمی و ادبی روایات کا مطالعہ اور پیش رو شاعروں اور ادیبوں کے خیالات و حالات زندگی کی واقفیت نہایت ضروری ہے ۔ اس لیے وطن واپس ہونے کے بعد میں نے اپنی پہلی فرصت میں اس مضمون کی تکمیل کی طرف توجہ کی ہے ۔

حاتم کے متعلق آزاد نے جو کچھ لکھا ، اس میں کوئی شک نہیں ، محبوب بیان اور دلچسپی ، مضمون کے لحاظ سے خاص طور پر قابل قدر ہے ۔ لیکن معلومات کے لحاظ سے قابل تشنیع نہیں ۔ افسوس اس امر کا ہے کہ آزاد نے معلومات حاصل کرنے کی کما حقہ کوشش نہیں کی ، ورنہ ممکن تھا کہ اُس زمانے میں انہیں بعض ایسی معلومات حاصل ہو جاتیں جو آج ہمیں کسی طرح نصیب نہیں ہو سکتیں ۔

”اب حیات“ میں حاتم کے متعلق جو مختصر سی معلومات

درج ہیں اُن کی صحت بھی غالباً آزاد کے مخصوص طرز بیان کی وجہ سے بری طرح متجروح ہو گئی ہے ۔ اُن کے تمام مآخذ آج یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں ، اور ان اصلی بیانات

سے آزاد کی عبارتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یا تو آزاد نے عمداً انہیں مسخ کر دیا، یا ”آب حیات“ کا مسودہ تیار کرتے وقت یہ اصل مآخذ اُن کے سامنے نہ تھے۔ گمان غالب تو یہی ہے کہ اُن کے اکثر بیانات صرف اُن کے غیر معمولی حافظہ کے مرہون ملت ہیں۔ اصل مآخذوں اور آزاد کی عبارتوں کے اختلافات اس مضمون میں حسب موقع پیش کیے گئے ہیں۔

یہاں اس واقعہ کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ”دیوان زادہ“ نو کجا حاتم کا غالباً کوئی اردو دیوان آزاد کی نظر سے نہیں گذرا۔ ورنہ اُن کے حالات اور شاعری کی نسبت آزاد کی معلومات اس قدر مختصر نہ ہوتیں۔ اس کے علاوہ اگر واقعی حاتم کا کوئی اردو دیوان آزاد کی نظر سے گذرتا تو وہ اس کا ذکر بھی اسی طرح کر دیتے جس طرح دیوان فارسی کا حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:—

”شاہ حاتم کا ایک دیوان فارسی میں بھی ہے۔ مگر بہت

مختصر۔ میں نے دیکھا وہ سنہ ۱۱۷۹ء کا خود اُن کے

قلم کا لکھا ہوا تھا۔ غزل ۱۰ صحت ہے رباعی و

فرد وغیرہ ۶ صحت ہے۔“

اگر آزاد ”دیوان زادہ“ دیکھتے تو اُس کی نادر خصوصیات کا ”آب حیات“ میں ضرور ذکر کرتے۔ اور حاتم کے کلام کا نمونہ نقل کرتے وقت وہ سرخیاں بھی یقیناً لکھ لیتے جو ”دیوان زادہ“ کی غزلوں کا نمایاں جزو ہیں۔

— آغاز شاعری —

حاتم کا نام شیخ ظہور الدین تھا - وہ شام جہاں آباد میں سنہ ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے - لفظ ”ظہور“ سے ان کی پیدائش ظاہر ہوتی ہے - یہ واقعہ انہوں نے مصحفی سے کہا تھا - اور غالباً مصحفی نے ہی پہلی دفعہ اپنے فارسی تذکرہ ”عقد ثیا“ (تصلیف ۱۱۱۹ھ) میں اس کا ذکر کیا - وہ لکھتے ہیں کہ وہ بقولش تاریخ تولدش حرف ظہور باشد“ (مخطوطہ برٹش میوزیم) پھر اردو تذکرے میں بھی اس خیال کو الفاظ کی تہوڑی سی تبدیلی کے ساتھ بیان کیا ہے -

ان کے والد کا نام شیخ فتح الدین تھا - وہ غالباً سیاحی پیشہ تھے - چنانچہ ظہور الدین کی تربیت پہلے اسی فن کے مناسب کی گئی - مگر اُس زمانہ کے عام مذاق کے مطابق اس لڑکے کو شعر و شاعری کا ذوق بھی پیدا ہو گیا - حاتم نے پندرہ سولہ برس کی عمر ہی سے شعر کہنا شروع کیا اور اپنا پہلا تخلص رمز اختیار کیا -

شاہ حاتم نے کس سنہ میں شاعری شروع کی اس کے متعلق چند اختلافات ہیں :-

(۱) وہ اپنے ایک شعر میں جو سنہ ۱۱۶۴ھ کی لکھی ہوئی غزل میں شامل ہے ، لکھتے ہیں :-

اتھتیس برس ہوئے کہ حاتم : مشاق قدیم و کهنہ گو یہ

اس شعر کے لحاظ سے حاتم نے سنہ ۱۱۶۶ھ میں شاعری شروع کی -

(۲) مگر لندن کے مخطوطہ ”دیوان زادہ“ کے دیباچہ میں وہ یوں رقمطراز ہیں :-

” از سنہ یکہزار و بست و ہشت تا یکہزار و شست و ہشت
کہ قریب چہل سال باشد نقد عمر دریں فن
صرف نموده - “

اس بیان کے لحاظ سے حاتم نے ۱۷ سال کی عمر میں
سنہ ۱۱۲۸ھ میں شاعری شروع کی -
(۳) آزاد نے ”آب حیات“ میں ”دیوان زادہ“ کے دیباچہ
کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں :-

” از سنہ ۱۱۲۹ھ تا سنہ ۱۱۶۹ھ کہ چہل سال
باشد ‘ عمر دریں فن صرف کردہ “

اس کے لحاظ سے حاتم کی عمر ۱۸ سال ہو جاتی ہے اور سنہ
شاعری ۱۱۲۹ھ - “

ان تینوں میں سنہ ۱۱۲۸ھ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ
اس ”دیوان زادہ“ کے دیباچہ میں موجود ہے جو خود حاتم کے
ہاتھ سے لکھا گیا ہے - آزاد نے جو دیباچہ نقل کیا ہے وہ (جیسا
کہ آئیے ثابت کیا جائے گا اُن کے حافظہ کی یادداشت پر مبنی
ہے اور اصل دیباچہ سے کئی امور میں مختلف ہے - رقی حاتم
کے شعر کی سذ جس سے سنہ ۱۱۲۶ھ نکلتا ہے تو وہ دیباچہ
کے ذمہ دارانہ بیان کے مقابلہ میں قابل لحاظ نہیں رہتی -

اسی سلسلے میں اس واقعہ کا ذکر بھی ضروری ہے کہ حاتم
کی شاعری کی ابتدا کے متعلق آزاد نے حسب ذیل عبارت لکھی
ہے :-

” شہخ غلام ہمدانی مصحفی اپنے تذکرہ میں اُن کی
شاعری کی ابتدا یہ لکھتے ہیں کہ سنہ ۳
محمد شاہی عہد میں ولی کا دیوان دکن سے

دہلی میں آیا۔ اس زمانے کے حال کے مطابق
وہی غنیمت تھا۔ اس واسطے خاص و عام میں
اس کا بہت چرچا ہوا۔ شاہ حاتم کی طبیعتِ موزوں
نے بھی جوش مارا۔ شعر کہنا شروع کیا
اور ہمت و لیاقت سے اُسے انتہا کو پہنچایا۔“

اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو حاتم کی شاعری کی
ابتداء سنہ ۱۱۳۲ھ میں ۲۱ سال کی عمر میں قرار پاتی ہے۔
مگر ”آب حیات“ کی اس عبارت میں سب سے پہلے تو
”خ“ کا اختلاف قابل ذکر ہے۔ مصحفی نے لکھا ہے کہ ”در سنہ
دویم فردوس آرام گاہ...“ (تذکرۃ ہندی برتشر میوزیم)۔ اس کے
علاوہ مصحفی کے اصل بیان سے مقابہ کرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے
کہ آزاد کو غلط فہمی ہو گئی تھی۔ مصحفی کے کسی تذکرے
میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ حاتم نے ولی کا دیوان دیکھنے
کے بعد شاعری شروع کی۔ وہ اپنے ”تذکرۃ ہندی“ میں لکھتے
ہیں:—

”روزے (شاہ حاتم) پیش فقیر نقل می کرد کہ در
سنہ دویم فردوس آرام گاہ دیوان ولی در شاہنجاہان آباد
آمد۔ و اشعارش بر زبان خورد و بزرگ جاری گشتہ
با دوسہ کس کہ مراد از ناجی و مضمون و آبرو
باشد، بنامے شعر ہندی را بایہام گوئی نہادہ داد
معنی یابی و تلاش مضمون تازہ می دادیم۔“
مصحفی کے فارسی تذکرہ ”عقد ثریا“ میں اس واقعہ کا ذکر
نہیں۔ اور ہونا بھی نہیں چاہیے کیونکہ وہ تذکرہ فارسی شاعری
سے متعلق ہے۔

ان حالات کی بنا پر صرف یہ نتیجہ نڈلا جاسکتا ہے کہ حاتم نے ”دیوان ولی“ کے مطالعہ سے چار پانچ برس پہلے یعنی سنہ ۱۱۲۸ھ ہی سے فارسی میں مرزا صائب کی طرز پر شعر کہنا شروع کر دیا تھا ۴ مگر جب سنہ ۱۱۳۲ھ میں ”دیوان ولی“ کی زیادت کی تو انہوں نے اور اُن کے چلد همعصروں نے شمال میں اُردو شاعری کی ابتدا کی - اور شاید اُسی وقت سے حاتم نے اپنا ابتدائی تخلص رمز تبرک کر کے لفظ حاتم اختیار کیا - مصحفی کا اصل بیان دہلی میں اُردو شاعری کی مقبولیت و ابتدا کا حال ظاہر کرتا ہے نہ کہ حاتم کی شاعری کی ابتدا کا -

اس ضمن میں یہ لکھنا دینا ضروری ہے کہ سنہ ۱۱۳۲ھ سے بہت پہلے شی ولی کی شہرت اور اُن کے کلام کے نمونے دہلی پہنچ چکے تھے - یہ اور بات ہے کہ مکمل دیوان عہد محمد شاہ کے دوسرے سال وہاں پہنچتا ہو - بعض ایسے قرائین بھی موجود ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ خود ولی نے اورنگزیب کے عہد میں دہلی کا ایک سفر کیا تھا مگر یہ امر بحث طلب ہے اور موجودہ مضمون کے لیے باعث طوالت -

”دیوان زادہ“ میں حاتم کی ایک غزل ایسی ہے جو سنہ ۱۱۳۱ھ میں لکھی گئی ہے اور ولی ہی کی زمین اور طرز میں - حاتم کی اس غزل کا پہلا مصرع یہ ہے :-

تابان ہے اس نگہ سے میرے دل میں نور آج

(دیوان زادہ غزل نمبر ۷۰)

اس غزل کا سنہ تصنیف ظاہر کرتا ہے کہ ولی کا دیوان دہلی پہنچنے سے پہلے ہی اس کی چلد غزلیں وہاں پہنچ چکی تھیں جن کے مطالعہ کے بعد وہاں کے شاعروں کو جو در اصل فارسی کو تھے اُردو میں

بھی کہنے کا خیال پیدا ہو چلا تھا۔ یہ خیال در اصل مکمل در دیوان ولی کی زیارت کے بعد پختہ ہو گیا۔

حاتم نے سنہ ۱۱۳۱ھ میں ولی کی جس غزل پر غزل لکھی تھی وہ شاید بعد میں ناپید ہو گئی کیونکہ انجمن ترقی اُردو سے اُن کی کلیات مولوی احسن مارہروی صاحب نے شایع کی ہے اس میں اِس غزل کا پتہ نہیں چلتا۔

(۳)

— ولی کا اثر —

شاہ حاتم ولی کو اپنا استاد سمجھتے تھے۔ وہ ”دیوان زادہ“ کے دیباچہ میں یوں رقمطراز ہیں:—

”در شعر فارسی بطرز مرزا صائب و در ریختہ بطور

ولی رحمہم اللہ اوقات خود بسر می برد و ہر دورا

استاد می داند“

آزاد نے اس عبارت کو تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یوں نقل کیا ہے:—

”در شعر فارسی پیرو مرزا صائب و در ریختہ ولی

را اُستاد می داند“

مگر دونوں عبارتوں سے تقریباً ایک ہی مطلب ظاہر ہوتا ہے۔

حاتم دہلی کے اُن شاعروں میں سے ہیں جنہوں نے ولی اور ان کے کلام سے خاص طور پر فیض اور اثر حاصل کیا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ محمد شاہ کے عہد میں دہلی آئے تو حاتم نے بھی اُن سے ملاقات کی۔ وہ ولی کو بزرگ سمجھتے تھے اور ان کی موجودگی میں ان کی غزلوں پر غزل لکھنے کو بے ادبی سمجھتے

تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۱۴۱ھ کی ایک غزل کا مطلع یہ ہے:—

اے ولی مجھ سے اب آزدہ نہونا کہ مجھے

یہ غزل کہنے کو نواب نے فرمائی ہے

حاتم نے یہ غزل ولی کی اُس مشہور غزل پر لکھی تھی جس کا
مقطع یہ ہے :-

اے ولی رھنے کوں دنیا میں مقامِ عاشق

کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

یہ غزل انجمن ترقی اُردو کی مطبوعہ کلیات میں صفحہ ۲۹۹
پر واقع ہے -

شاہ حاتم کے اِس مقطع سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ولی
غالباً سنہ ۱۱۴۱ میں دہلی میں موجود تھے - ولی کے عہدِ محمد شاہ
میں دہلی جانے کی تاریخ بھی اب تک تحقیق طلب ہے - مگر
حاتم کا یہ مقطع اُرد اُن کی دوسری بارہ غزلیں جو ولی کی زبان
و طرز میں لکھی گئی ہیں اِس مسئلہ کو بھی ایک حد تک حل
کر دیتی ہیں -

حاتم نے ولی کی زبان میں ۱۳ غزلیں لکھیں - کسی اور شاعر
کی تقلید میں اُن کے یہاں اتنی زیادہ غزلیں نہیں ہیں - اُن
کی پہلی غزل جس کا ذکر گذر چکا ہے سنہ ۱۱۳۱ھ میں لکھی
گئی ہے - دوسری سنہ ۱۱۳۵ھ میں لکھی گئی ہے - اُس کا پہلا مصرعہ
یہ ہے :-

(دیوان زادہ غزل ۳۱۳)

اِس زمین کی غزل اِس وقت ”کلیات ولی“ میں محفوظ نہیں ہے -
اس کے بعد سنہ ۱۱۳۶ھ میں حاتم نے ولی کی تقلید میں
تین غزلیں لکھیں جن کی تفصیل یہ ہے :-

۱ - مصرعہ حاتم — کاملوں کا یہ سخن مدت سے مجھ کو یاد ہے
(دیوان زادہ نمبر ۱۹۶)

،، ولي — ہجرا عشاق کی خاطر اگر ناشاد ہے
(گلیات ولي صفحہ ۲۵۹)

۲ - حاتم — نہ کر خوباں سے اے دل آشنائی
(دیوان زادہ نمبر ۳۷۸)

،، ولي — ترا مکہ ہے چراغ دلربائی
(کلیات ولي صفحہ ۳۰۵)

۳ - حاتم — جس طرف کو کہ یار جاتا ہے
(دیوان زادہ نمبر ۳۱۴)

اس زمین کی ولي کی غزل مطبوعہ کلیات میں درج نہیں ہے -
سنہ ۱۱۳۸ھ میں حاتم نے اس نوعیت کی دو غزلیں لکھیں یعنی :-
۱ - مصرعہ حاتم — اُس پر دیر کا مجھ ہر دم تصور کام ہے

(دیوان زادہ نمبر ۲۳۹)

،، ولي — نشہ بخش عاشقان وہ ساقی گلفام ہے
(گلیات ولي صفحہ ۲۸۱)

۲ - حاتم — مجھ سے مِس کو یہ کہمیا بس ہے
(دیوان زادہ نمبر ۲۳۷)

ولي کے مطبوعہ گلیات میں اس زمین کی غزل موجود نہیں -
سنہ ۱۱۳۸ھ میں بھی دو غزلیں ولي کی زمین میں لکھی ہیں یعنی :-

۱ - مصرعہ حاتم — اُلفت کی مجھ کو پیارے تیری نگاہ بس ہے
(دیوان زادہ نمبر ۳۳۶)

،، ولي — ہم کو شمع معشر وہ دیں پناہ بس ہے
(گلیات ولي صفحہ ۲۷۴)

۲۔ حاتم—جب چمن میں چلا وہ سرور بلند

(دیوان زادہ نمبر ۱۰۳)

ولہ کی مطبوعہ کلیات میں اس زمین کی کوئی غزل نہیں ہے ۔

”دیوان زادہ“ میں حاتم نے ایسی کوئی غزل منتخب نہیں کی ہے جو ولہ کی طرز میں سنہ ۱۱۲۰ھ میں لکھی گئی ہو ۔ البتہ سنہ ۱۱۲۱ھ کی دو غزلیں اس نوعیت کی موجود ہیں ۔ ایک کا ذکر اوپر گذر چکا ہے ۔ دوسری غزل کا پہلا مصرعہ ہے :—

جو چمن میں جا کے اس حالت کا میں چرچا کروں

(دیوان زادہ نمبر ۲۳۷)

اس زمین کی ولہ کی غزل نہایت بلند پایہ ہے ۔ اس کا مطلع ہے :—

خوبی اعجاز حسن یار اگر انشا کروں

بے تکلف صفحہ کاغذ ید بیضا کروں

(کلیات صفحہ ۱۵۸)

ان گیارہ غزلوں کے بعد ”دیوان زادہ“ میں صرف دو ہی غزلیں اس نوعیت کی ملتی ہیں ۔ ان میں سے ایک سنہ ۱۱۲۳ھ کی ہے اور دوسری سنہ ۱۱۶۹ کی ۔ پہلی غزل کا پہلا مصرعہ ہے :—

جس کو حاتم خیال مال ہوا (دیوان زادہ نمبر ۲۵)

اس زمین میں ولہ کی غزل کا پہلا مصرعہ :—

جلوے گر جب سوں وہ جمال ہوا (کلیات صفحہ ۴۲)

دوسری غزل غالباً ولہ کے انتقال کے بعد لکھی گئی ہے ۔ اس کا مصرعہ ہے :—

کبھو تک دیدۂ انصاف نہ کر کبر و منی

اس زمین کی کوئی غزل کلیات ولہ میں محفوظ نہیں ہے ۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۳۶ سے سنہ ۱۱۴۱ تک کا زمانہ ایسا ہے جس میں ولی حاتم ولی کے زیادہ زیر اثر رہے۔ اسی زمانہ میں ولی شاہجہاں آباد میں قیام پذیر تھے۔ اور وہاں ریختہ گوئی کا شوق عام ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس عرصہ میں حاتم نے بھی ایک دیوان مکمل کر لیا غالباً جو سنہ ۱۱۴۲ھ میں مرتب ہوا اور بہت جلد عوام میں مقبول ہو گیا۔ اس وقت حاتم کی عمر تیس بتیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس دیوان کی ترتیب کا ذکر انہوں نے دیباچہ ”دیوان زادہ“ میں اس طرح کیا ہے:—

”دیوان قدیم از بست و پنچ سال در بلاد ہند مشہور
دارد و بعد ترتیب آن تا امروز کہ سنہ احد
عزیزالدین عالمگیر بادشاہ باشد بقول بزرگے کہ
مارا بفراغت بہ اجل دیو رساند

(کذا) میں عمر دراز سخت کوتاہی کرد
ہر رطب و یا بس کہ از زبان این بے زبان
بر آمدہ داخل دیوان قدیم نمودہ کلیات مرتب
ساختہ۔“

(۴)

— ملازمت —

اردو کے اکثر تذکرے اس خیال پر متفق ہیں کہ حاتم سپاہی پیشہ تھے اور بچپن ہی سے اُن کی تربیت اس قسم کی ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ فارغ البال اور ہمچشموں میں ممتاز رہے۔ مصحفی نے ”عقد ثریا“ میں لکھا ہے:—

”در ایام جوانی سپاہی پیشہ بود..... از بسکہ این
خرابہ از قدردان معسور بود۔ امہر زادہ ہائے والا

تبار و نوٹیلان ذوی الاقتدار او را پیش از پیش به
تواضع و تعظیم پیش آمده بر مسند برابر خود
جامی دادند و مناسب حال خود را ہر یکے از
وافر می گذرانیدند

اس تحریر کے کئی سال بعد پھر ”تذکرہ ہندی“ میں
لکھتے ہیں:—

”ہمیشہ عمدہ معاش بود۔ و اوقات را بخوبی گذرایندہ
مرد سپاہی پیشہ از ہندستان زایان قدیم
بودہ۔“

منشی کریم الدین اور آزاد کے بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ اپنے ہم عصر
نوجوانوں کے جو جو شوق تھے وہ سب حاتم بھی پورے کرتے تھے۔ کریم الدین
نے لکھا ہے کہ ”یہ جن روزوں میں کہ سرکار عمدۃ الملک امیر خاں بہادر
کے یہاں ملازم تھا ارتکاب مذہبیات کا بدرجہ اعلیٰ کرتا تھا۔“
منشی کریم الدین کا تذکرہ بظاہر گارساں دتاسی کی ”تاریخ ادبیات
ہندوی و ہندستانی“ کا ترجمہ ہے۔ مگر دتاسی نے حاتم کے متعلق
یہ خبر کہیں نہیں لکھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ منشی صاحب نے
اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ”طبقات الشعراء“
دتاسی کی اہم ”تاریخ“ کا بعینہ ترجمہ نہیں ہے۔ خود دتاسی
اس بات کا قایل ہے کہ ”طبقات“ قطعاً ایک علیحدہ اور
آزاد کتاب ہے (دیکھو ”تاریخ ادبیات“ طبع ثانی۔ جلد اول
صفحہ ۴۸)۔

کریم الدین نے حاتم کے متعلق اپنی معلومات کا کوئی دوسرا مآخذ
نہیں بتلایا۔ اور آزاد نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ کم و
بیش ”طبقات“ ہی سے ماخوذ ہے۔ ایسی صورت میں حاتم کی

رند مشربہ اور ”بازنا“ مزاجی ایک حد تک مشتبہ ہے۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ امیروں اور نواب زادوں سے حاتم کے دوستانہ تعلقات تھے اور بہت ممکن ہے کہ ان کی صحبت کا اثر ان پر بھی پڑا ہو۔ حاتم کا ذریعہ معاش ابتدا میں کیا رہا اس کی نسبت اس وقت ہمیں کوئی علم حاصل نہیں ہو سکا۔ اتنا ضرور معلوم ہے کہ چوبیس سال کی عمر میں وہ زیادہ خوش حال نہیں تھے چنانچہ سنہ ۱۱۲۵ھ میں ایک غزل میں لکھا ہے:—

محتاجگی سے مجھکو نہیں ایک دم فراغ

حق نے جہاں میں نام کو حاتم کیا تو کیا

لیکن اس کے بعد ہی کے چند سالوں میں وہ نواب عمدةالملک امیر خاں کے یہاں ملازم ہو گئے۔ ندیم خاص ہونے کے علاوہ بکاول یا منتظم باروچی خانہ کی خدمات بھی انجام دینے لگے۔ نواب صاحب موصوف بذلہ سنج اور ظریف الطبع ہونے کے علاوہ صاحب ذوق بھی تھے۔ چنانچہ حاتم کی شاعری کے بھی قدردان تھے۔ اور کیا عجب ہے کہ حاتم کی سخنوری کی شہرت ہی نے نواب کو اُن کی طرف متوجہ کر دیا ہو۔ ”دیوان زادہ“ میں تھوڑا سا کلام ایسا بھی موجود ہے جو نواب کی فرمایش پر لکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ہم یہاں حاتم کی ”مثنوی قہوہ“ نقل کرتے ہیں جو نواب عمدةالملک ہی کے حسب ارشاد تصنیف کی گئی ہے:—

مثنوی در تعریف قہوہ

(حسب الارشاد نواب عمدةالملک امیر خاں بہادر)

— فی بحر ہزج مسدس متخذف - مقاعیلان مغاعیلان فعولن —

جہاں میں سرد مہری سے خزاں ہے

جو ہم سے گرم ہے تو قہوہ داں ہے

بجای ہے اس کی مجھ سے گرم جوشی
 کہ جانے ہے مری پیہمانہ نوشی
 جہاں دیکھو تہاں ہر آن قہوہ
 ہے بزمِ عیش کا سامان قہوہ
 قبولِ بارگاہِ بادشاہان
 جلو میں دست صاحب دستگاہان
 ہے شاکی رات اور دن نیند اُس ہاتھ
 عداوت ہے اُسے نسیماں کے ساتھ
 انیسِ روح و جان و راحتِ دل
 جلیسِ بزم و رونق بخشِ محفل
 برائے حرمت افـزائے تواضع
 تواضع اُس کی ہے جائے تواضع
 ہے نورِ دیدۂ مردم پیہمالہ
 سوادِ سرمۂ چشم غزالہ
 بجای ہے چہرہ کر مسند نشینی
 یہاں ہو قہوہ پر فغفور چینی
 سبھوں کے ہاتھ مجلس میں پیالہ
 چمن سا کھل رہا یکدست لالہ
 مجھے اِس آن گُل لالہ کی دھن ہے
 کہ پیالہ آپ ہے اور داغ بن ہے
 مرا یک مونس دل بن رہا ہے
 سو اُس کا بھی کلیجہ بھن رہا ہے
 وہ پررا عشق کا سلطان ہے گا
 کہ سینہ چاک و دل بریان ہے گا

ھے سب رنگوں میں قہوہ کا عجب رنگ
 گہے طاؤس ھے گلے ھے شب رنگ
 بلوریں یوں لگے قہوے سے اب جام
 گلے ملتی ھے گویا صبح اور شام
 مجھے ہر دن یہ چاروں جام بس ہیں
 دو پیالے صبح اور دو شام بس ہیں
 بلوریں سات پیالے پیالہ داں میں
 ھے جن کی روشنی ہفت آسمان میں
 مثال عقد پرویں ایک جا ہیں
 جو کہیے سبع سیارے بجتا ہیں
 بجتا ھے اس کی اہل بزم کو چاہ
 ہمیشہ گر نہ ہو تو گاہ بے گاہ
 کہ اس کو دل جلوں سے راہ ھے گی
 ہر اک صحبت کی کب پرواہ ھے گی
 نہیں ہوتا بجز اشراف کے یار
 سدا ھے صحبت پاچی سے بیزار
 جہاں میں زندگی حاتم دو دم ھے
 ادھر قہوہ ادھر حُقّہ کا دم ھے

یہ مثنوی اس لحاظ سے قابل قدر ھے کہ شمالی ہند کی
 اردو کی اولین مسئلہ نظمیں میں سے ھے - میر اور سودا کی مثنویاں
 اس کے بہت بعد کی پیداوار ہیں - حاتم دہلی کے پہلے اردو
 شاعر ہیں جنہوں نے معین موضوعوں پر کئی مسلسل اور دلچسپ
 نظمیں لکھیں -

نواب عمدة الملک کے علاوہ اُن کے امراء اور احباب بھی حاتم کے کلام کے قدردان تھے۔ چنانچہ جعفر علی خاں زکی کو جو مرزا جعفر بیگ کے فرزند اور نواب صاحب موصوف می کے خاندان سے تھے، حاتم سے خاص عقیدت تھی۔ زکی محمد شاہ کی بارگاہ میں ایک معزز مرتبہ رکھتے تھے اور سہ ہزاری منصب سے سرفراز تھے۔ ان کا یہ امتیاز عمدة الملک کی وفات تک قائم رہا۔

جعفر علی خاں چوں کہ قدردان سخن تھے، عروج کے زمانے میں ان کی قیورہی پر شاعروں کا ہر وقت جھگڑتا رہتا تھا۔ یہ جلسے ”نکات الشعراء“ کی تصنیف سے چار پانچ سال قبل (یعنی تقریباً سنہ ۱۱۱۰ھ) تک قائم تھے۔ زکی کا انتقال شاہ عالم کے عہد حکومت میں سنہ ۱۱۷۸ھ میں ہوا۔ (دناسی تاریخ ادبیات، طبع ثانی، جلد سوم صفحہ ۳۲۶)۔

حیرت کی بات ہے کہ ”دیوان زادہ“ میں حاتم نے اپنے دوست جعفر علی خاں کا تخلص صادق لکھا ہے حالانکہ اُن کا تخلص زکی تھا۔ صادق اس نام کے ایک اور شاعر کا تخلص تھا جو مشہور بزرگ میر سید محمد قادری کی اولاد سے تھے اور جن کی تصنیف ”بہارستان جعفری“ ہے۔ بعض اُردو تذکروں میں جعفر علی خاں صادق اور جعفر علی خاں زکی دونوں کا ذکر علیحدہ علیحدہ موجود ہے۔ لیکن چونکہ ایک ہی زمانہ میں تھے اور نام ایک ہی تھا خلط ملط ہو جانا تعجب کی بات نہیں۔ ”گلزار ابراہیم“ میں دونوں کا ذکر ہے۔ زکی کی نسبت اُس کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے جس کے مطالعہ سے ہماری معلومات میں کافی اضافہ ہوتا ہے:-

”زکی دہلوی - جعفر علی خاں ابن مرزا مومن بیگ -

بمنصب سہ ہزاری در منصبداران محمد شاہ مرحوم

سرفراز بود - و در مقربان نواب عمدة الملک امیرخان
مرحوم امتہاز داشت - گویند براچہ رام سوائی عاشق
بود - آخر حال بعد انتقال نواب امیر خان مرحوم
بلاکامی گزرائیدہ ازیں جہان گذشت - طبعش در فکر
ریختہ رسا و نظم کلامش بطرز قدماسست - مثنوی او
کہ اکثر رعایت ایہام کردہ شہرت تمام دارد - ۴۰

(مخطوطہ برتس میوزیم - ورق ۱۰۴ ب)

میر تقی میر فرماتے ہیں :-

”جعفر علی خاں زکی مرد عمدہ روزگار یست - متوطن دہلی -
بادشاہ محمد شاہ بر او فرمائش مثنوی حقہ کردہ بود
دو سہ شعر موزوں کرد - دیگر سر انجام ازو نیافت
اکلن شیخ محمد حاتم کہ نوشتہ آمد با تمام
دسانید - و آن مثنوی خالی از مزہ نیست..... الاخرہ - ۴۱
میر جیسے بد دماغ شخص کا اپنے حریف سودا کے استاد شاہ حاتم کی
ایک نظم کو با مزہ کہنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ مثنوی کس قدر اہم ہے -
خصوصاً جب ہم ایک طرف دیکھتے ہیں کہ میر حاتم کو ”مردیست جاہل“،
وغیرہ لکھتے ہیں اور ان کے اشعار پر طعن و اعتراض کرتے ہیں - اور
دوسری طرف ان کی ”مثنوی حقہ“ کو ”خالصی از مزہ نیست“ فرماتے
ہیں تو ہمیں اس بوالعجبی پر ہنسی آتی ہے اور ساتھ ہی حاتم کی
مثنوی کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے - یہ مثنوی مفسرین ”حاتم کی شاعری“
آخر میں بطور ضمیمہ درج کی جائے گی - بادشاہ کی فرمائش کی تکمیل
کے لیے جعفر علی خاں کا حاتم کو منتخب کرنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ حاتم
کو اُس دور کے شاعروں میں اِس کام کے سب سے زیادہ اہل سمجھتے تھے -
اس نظم کے علاوہ حاتم نے اور موقعوں پر بھی اپنے قدردان کی فرمائش

پر غزلیں اکہی ہوں - ان کے یہاں جو مشاعرے ہوا کرتے تھے ان میں بھی حاتم حصہ لیتے تھے - چنانچہ ”دیوان زادہ“ میں بھی ایک ایسی غزل موجود ہے جو ۱۱۵۵ھ میں جعفر علی خاں کی زمین میں لکھی گئی ہے اور جس کا پہلا مصرع یہ ہے :-

دل آگاہ مرا طالب ارشاد نہیں

(۵)

— استعفاء —

حاتم کی طبیعت ابتدا ہی سے ”آزادہ رو“ اور عرفان پسند واقع ہوئی تھی - اس قسم کے رجحانات ان کے عہد جوانی کی غزلوں میں بھی جا بجا ظاہر ہوتے ہیں - وہ اگرچہ نواب عمدۃ الملک کے یہاں ایک اچھے عہدہ پر فائز تھے ، اکثر امیروں اور نوابوں کی صحبت میں گذرتی تھی ، مگر ساتھ ہی درویشوں کے یہاں بھی آمد و رفت تھی ، اور قدم شریف کے پاس میر بادل علی شاہ کا تکیہ اُن کی خاص نشست گاہ تھا - شاہ بادل ایک صاحب کمال اور با خدا بزرگ تھے - اور نوجوانوں پر خاص اثر رکھتے تھے - ان کی نسبت ”طبقات الشعراء“ میں ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے :-

”میر مذکور مغفور کہ فقیر اور آزاد متشرع اور درویش خدایاد ، متوزع ، مریدان خاص حضرت شاہ متحمّد امین سہروردی سے ، جو کہ عقب دیوار پائیں قاضی حمید الدین ناگوری قدس سرہ کے مجردانہ سوتے ہیں ، تھا - رفتہ رفتہ ارادۂ ارادت نے اس کے دل میں جا پکڑی اور بعد اظہار مافی الفسیر کے یہ قبول پایا - لیکن حسب ظاہر ، مامور معروفات

کا اور مملوع مملہیات سے نہ ہوا - پانچ چہہ مہملہ
 کے عرصہ میں عطائے تسبیح اور مُصلیٰ اور کلام اللہ
 اور خرقہ اور جو چیز مناسب تھی ' بے آنکہ
 مکلف عمل شرایع سے ہو ' ہر روز اور بتدریج
 سرفراز ہوا - سب کے آخر میں ایک ورق ' جس
 پر استغفار و اوراد خاصۃ حضرات سہروردی تھے '
 اس کو پہنچا اور یہ اس کے پڑھنے پر مامور ہوا -
 بمجرد پڑھنے کے اس پر عجب ایک حالت
 ہوئی کہ رقت خواہش مباشرت کوئی حرکت قوائے
 شہوانی سے نہیں پاتا تھا - اور وقت ارادۃ پینے شراب
 کے ہو شراب کی اس کے دماغ کو پہنچتے ہی قے
 ہوتی تھی - یہاں تک کہ بالکل عمل مملہیات
 صفتۃ خاطر اُس کے سے حک ہو گئے اور صلاح و
 فلاح دینی و اخروی کو پہنچا - "

غرض حاتم بھی میر بادل علی شاہ کے معتقد ہو گئے - اور ان کا یہ
 اعتقاد ۱۱۲۳ھ میں اِس حد کو پہنچ گیا کہ انہوں نے اپنی ایک غزل
 میں بھی اُس کی طرف اشارہ کیا ہے - وہ کہتے ہیں :-
 خودی کو چھوڑ آ حاتم خدا دیکھ

کہ تیرا دھنسا ہے شاہ بادل

اِس شعر کے علاوہ "دیوان زادہ" میں اور بھی دو تین شعر ہیں جو
 ظاہر کرتے ہیں کہ بادل علی شاہ کا اثر حاتم پر کس قدر گہرا تھا - اُنیس
 برس بعد ۱۱۶۲ھ میں لکھتے ہیں :-

حاتم کیا ہے حق نے دو عالم میں سر بلند

بادل علی کے جب سے لگے ہیں قدم سے ہم

اس شعر کے دو سال کے بعد (یعنی ۱۱۹۳ھ میں) ایک قطعہ لکھا ہے جس میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نوجوانوں کو چاہیے کہ صاحب کمال عارفوں کی صحبت اختیار کریں :-

قدم آکر پکر صاحب کمالوں کے کہ جس تس کو
جو کچھ حاصل ہوا ہے عارف کامل کی صحبت میں
جلاب حضرت حق سے نہ ہو کیوں فیض حاتم کو
ہوا ہے تربیت وہ بادلِ باذل کی صحبت میں

شاہ صاحب کے اثر کے علاوہ ایک اور وجہ بھی تھی جو شاہ حاتم کو ترک دنیا داری کی طرف راغب کر رہی تھی - وہ عہد محمد شاہ کی عام سفلہ پروری اور بے اطمینانی تھی جو لوگ واقعی صاحب حوصلہ اور اہل ذوق تھے دولت مند نہیں رہے تھے اور جو دولت مند تھے انہیں صاحب کمالوں اور سخندانوں کی قدر و منزلت کا سلیقہ نہ تھا - اس کے علاوہ قدیم با وقعت خاندانوں کے چشم و چراغ جو کچھ باقی رہ گئے تھے وہ یا تو عیش و عشرت میں مبتلا تھے یا افلاس میں - اس طرح اصحاب علم و فضل اور شعرا بد دل ہوتے جا رہے تھے - یہ حالت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ حاتم جیسا قانع شخص بھی اس کی شکایت کرتا ہے - کہتے ہیں :-

خیر و برکت ہند سے سب اُتھ گئی

سب کی دھار تیغِ ہمت مر گئی

عادتِ فیض و کرم اہلِ درل سے چھوٹ گئی

دستِ ہمت شل ہوا چشمِ مروت پھوٹ گئی

اسی موضوع پر حاتم نے ایک مسلسل نظم بھی لکھی ہے جو گویا عہد محمد شاہ کا ایک منظوم خاکہ ہے - یہ نظم ”دیوانِ زادہ“

میں متفرق صنعتات پر حاشیوں میں درج ہے - ہم نے اس کو ایک جگہ کر کے حسب ذیل شکل میں ترتیب دیا ہے - چونکہ شاعری کے لحاظ سے بھی یہ ایک اعلیٰ درجہ کی مسلسل نظم ہے اور اردو میں اس قسم کی مسلسل نظموں کی کمی ہے اس لیے یہاں اس کو مکمل حالت میں نقل کیا جاتا ہے -

کیا بیان کیجیے نیرنگی اوضاعِ جہاں
 کہ بیک چشمِ زدن ہو گیا عالمِ ویراں
 جن کے ہاتھی تھے سواری کو سو اب نلگے پاؤں
 پھریں ہیں جوتے کو محتاج پڑے سرگرداں
 نعمتیں جن کو میسر تھیں ہمیشہ ہر وقت
 روز پھرتے ہیں یہاں قوت کو اپنے حیراں
 جن کے پوشاک سے معمور تھے توشک خانے
 سو وہ پیوند کو پھرتے ہیں ترستے عریاں
 د—پرچہ نان کو رکھ ہاتھ میں کھاتے ہیں امیر
 جس کو دیکھوں ہوں سو ہے فکر میں غلطان پیچاں
 خوانِ الوان کہاں اور وہ کہاں دسترخوان
 یعنی چہ میر و چہ مرزا و چہ نواب چہ خاں
 پوچھتا کوئی نہیں حال کسی کا اس وقت
 ہے عدم دھر کی آنکھوں سے مروت کا نشان
 اقتدار ہے گا جنہیں سوہیں علیہ اللعنة
 ہیں گے ہر ایک بخود شمر و یزید و مروان
 گرم ہے ظلم کا بازار ، خدا خیر کرے
 کہیں مظلوموں کے رونے سے نہ آوے طوفان

۱۰۔ کان دھر بات کسو کی نہیں سلنا کوئی
 آنکھ سے آنکھ ملانا تو یہاں کیا امکان
 وے جو بینار ہیں ان کا تو خدا حافظ ہے
 وے جو ہیں نام کو نوکر انہیں تلخخواہ کہاں
 کیا زمانہ کی ہوا ہو گئی سبحان اللہ
 زندگانی ہوئی ہر ایک کی اب دشمن جاں

زن و بچوں سے چھپا کھاتے ہیں تکرے کے تئیں
 غضب آئے، جو کوئی جائے کسی کے مہمان
 وے جو تھکے کو ترستے تھے سو اس دور میں آج
 ہوئے ہیں صاحب مال و متعل و فیل و نشان
 ۱۵۔ رتبہ شیروں کا ہوا ہے گا شغالوں کو نصیب

جائے بلبل ہیں چمن بیچ غزل خواں زافان
 اے خدا - خوب کہا ہے یہ کسو نے مصرع
 یعنی نعمت بسکای بخششی دولت بہ خراں
 مرض ہے بھوک کا عالم کو کرے کون علاج
 مگر اس درد کو ہو فضل خدا کا درمان
 چشم عبرت سے نظر کیجئے اولوالبصارو

دیکھ لو راست میں کہتا ہوں عیاں راجہ بیاں

حاتم اس بکھر مروت کی علی دیوے داد
 جس کا اس وقت ہوا ہے تو عبید الاحسان

(۲۲ دیوان زادہ ۲۲ میں یہ نظم مسلسل کسی ایک ہی صفحہ پر لکھی
 ہوئی نہیں ہے بلکہ متعدد صفحات کے حاشیوں پر جن کی تفصیل
 یہ ہے - اشعار نمبری ۱ تا ۴ ورق ۳۱ الف کے حاشیہ پر - اشعار نمبر ۵ تا
 ۱۰ ورق ۳۹ ب پر اشعار نمبری ۱۱ تا ۱۵ ورق ۳۴ الف - اشعار نمبری
 ۱۶ تا ۱۱ ورق ۴۰ الف) -

غرض حاتم عمدۃ الملک کے ندیم اور بکاؤل تھے مگر اپنی اس طرز کی زندگی سے خوش نہیں تھے۔ فقیروں کی صحبت نے ان کو ایک دوسرا ہی چسکہ لگا دیا تھا۔ وہ سنہ ۱۱۳۹ھ میں لکھتے ہیں:—
جب سے ہوئی روشن دلوں کے دل اُپر حاتم نگاہ

تب سے یہ روشن ہے میرے دل کا بے روغن چراغ
معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے سال (یعنی سنہ ۱۱۴۰ھ میں) ان کا یہ شوق اور بھی ترقی کر چکا تھا۔ چنانچہ اس زمانہ میں انہوں نے اس قسم کے بہت سے شعر لکھے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:—

آشنا حاتم غریبوں کا ہو امراؤں کو چھوڑ
نالم کو ذرہ نہیں ہے ان بچاروں میں دماغ
وہی ہوتا ہے حاتم سب میں نامی بعد مرنے کے
جو جیتے جی اُڑائے آپ سے اپنا نشان اپنا
دین و دنیا سے گذر کر جو ہوئے ہیں آزاد

حاتم اب معتقد ہمت درویشاں ہے
بعد کے چند سالوں میں بھی ان کا یہ شوق برابر ترقی کرتا رہا۔ اور ادھر دنیاوی قدر و منزلت میں غالباً کوئی اضافہ نہیں ہوا اگرچہ اس وقت تک ان کو اپنی شاعری اور سپہ گری کا دعویٰ تھا۔ وہ کہتے ہیں:—

سنہ ۱۱۴۳ھ -- ہے وہ چرخي مثال سر گرداں
جس کو حاتم خیال مال ہوا
سنہ ۱۱۴۴ھ -- اے قدر داں کمال حاتم دیکھہ
عاشق و شاعر و سپاہی ہے -

ان اشعار کے علاوہ قریب قریب اس زمانہ کے حسب ذیل اشعار بھی
سارے اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں:—

عجب احوال دیکھا اِس زمانہ کے امیروں کا
 نہ اِن کو دَرِ خدا کا اور نہ اُن کو خوفِ پیروں کا
 مجھے دیوان خانہ سے کسی مہم کے کیا حاتم
 ہے آزادی کی کر رہے کو بس تکیہ فقیروں کا
 اِس مضمون کی ایک رباعی بھی ”دیوان زادہ“ میں موجود ہے :-
 یک ذرہ کبھو نہ کام آئی مجھے کو
 دولت مندوں کی آشنائی مجھے کو
 گو فائدہ اُن سے ہو نہ ہو حاتم ہوں

یکسان ہے شاہی ہو گدائی مجھے کو
 ادھر دنیاوی ناقدی ادھر دینی کشش - آخر حاتم نے دھی فیصلہ کیا
 جو اُن کی فطرت کے مطابق تھا - اور اِس فیصلہ کو اِس رباعی کی صورت
 میں ظاہر کیا :-

حاتم دل کر مثال آئینہ صفا
 چاہے کہ جو ہو صورت حق جلوہ نما
 کرتا کیا ہے نصیحتیں غیر کے نہیں

چاہے خدا ۲ تو دَرِ خدا کی میں خود آ
 ایسی صورت میں نواب عمدۃ الملک کی ملازمت کی کیا پرواہ
 ہوسکتی تھی - فوراً نواب صاحب کی خدمت میں ایک استعفا لکھ کر
 پیش کیا جو ایک طرف تو حاتم کی شرافت طبع اور اعلیٰ کردار کا مظہر
 ہے اور دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ نواب نے اپنی حد تک حاتم
 کی قدردانی میں کوئی کسی نہیں کی - حاتم کی یہ نظم اُردو ادب میں
 بالکل انوکھی چیز ہے - نہ صرف تاریخی بلکہ شعری حیثیت سے بھی :-
 عرضی بجناب نواب عمدۃ الملک در استعفاء (کذا) خدمت در

تمہارا عمدۃ الملک اسقدر سے خوانِ نعمت ہے
 کہ جس پر رات دن شاہ و گدا مہمانِ نعمت ہے
 جسے دیکھوں ہوں تیری بندگی . . (کرم خوردہ)
 تیری دولت سے ہر ایک صاحبِ انوارِ نعمت ہے
 کہیں کہیں مہر و مہ جس کے تئیں روشن ہے عالم پر
 سو دسترخوان کا تیرے دو قرصِ نانِ نعمت ہے
 سحر سے شام تک اور شام سے تا صبح مدت تک
 ہمارا کام تیری بزمِ میں سامانِ نعمت ہے
 ہوا ہوں سیرِ ایسا چاشنی سے چشک کی تیری
 خدا شاہد ہے کس کافر کے تئیں ارمانِ نعمت ہے
 جیوں گا جب تلک حق نمک تیرا نہ بھولوں گا
 مجھے سب یاد ہے جو جو ترا احسانِ نعمت ہے
 ہوا ہوں جب سے داروغہ ترے باروچی خانہ کا
 اگر شکوہ کروں اس کا تو یہ گُفرانِ نعمت ہے
 ولیکن کھا گئی ہے مجھے کو رات اور دن کی یہ محنت
 ہے مطبخِ کانِ نعمت پر مجھے زندانِ نعمت ہے
 یہی ہے عرضِ خدمت میں تری حاتمِ بکاول کی
 کہ یہ خدمت اُسے دے جو کوئی خواہانِ نعمت ہے
 (نوٹ - شعر ۸ کا پہلا مصرعہ حاشیہ پر یوں درج ہے -

ولے قیدی کیا ہے مجھے کو رات اور دن کی محنت نے)

ان واقعات اور اس نظم کے مطالعہ کے بعد یہ غلط فہمی یقیناً دور ہو جاتی
 ہے جو اردو کے بعض تذکروں نے پھیلا دی ہے یعنی حاتمِ نوابِ عمدۃ الملک کی
 وفات کے بعد جب بیروزگار ہو گئے تو فقیری اختیار کر لی - مثلاً
 ”مخزنِ نکات“ میں لکھا ہے :- ”بعد قوت او (یعنی عمدۃ الملک) توکل روزگار

نسود - باکمال آزادی می گزارند “ - حالانکہ یہ بالکل غلط ہے - حاتم نے اپنا یہ استعفا ۱۱۳۵ ھ میں نواب صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور غلامی پر آزادی کو ترجیح دے کر درویش منس ہو گئے -

ترک ملازمت کے بعد اکثر حضرات نے حاتم کو برا بھلا کہا اور اس منصبِ جلیلہ سے علیحدہ ہونے پر افسوس ظاہر کیا - مگر حاتم اپنی آزادی اور بے فکری پر مطمئن تھے - انہوں نے اپنے معترضین کا جواب حسب ذیل قطعہ میں پیش کیا ہے :-

ایک دن ایک تونگر نے کیا مجھ سے سوال
بسکہ آپے تئیں جانے تھا وہ دنیا میں غنی
یعلے - بے ہودہ ہوا کیوں تو فقیر اے حاتم
کچھ نہیں جان لے اس فقر میں حاصل شدنی
در جواب اس کے پڑھا میں نے یہ شعر فایق
کہ سن اس رمز کو اے غافل و نادان و دنی
نسبت فقر و فلا بسکہ بہم نزدیک است
نیست یک رشتہ جدائی ز کفن تا کذللی
(۶)

— درویشی اور وفات —

جب حاتم ملازمت اور ملازمت کے ساتھ کاروباری زندگی سے دست بردار ہو گئے تو ان کے بہت سے یار و آشنا جو ان سے صرف فائدہ اٹھانے کی خاطر ملا کرتے تھے ان سے علیحدہ ہو گئے - یہ حرکت ہر حساس دل کو تکلیف پہنچاتی ہے - اور حاتم بھی اُس کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ ۱۱۳۵ ھ میں انہوں نے ایک شعر میں لکھا ہے :-

دیکھ کر حاتم کو مفلس اُٹھ گئے دولت کے یار
تب تو چرخ کی طرح کھاتے تھے چکر جب تھا مال

لیکن انہوں نے جس نئی زندگی میں قدم رکھا تھا اس کی دلچسپیاں اُن کو اپنی طرف روز بہ روز زیادہ کھینچتی جاتی تھیں۔ اُن کو اُس کی پرواہ نہیں رہی تھی کہ کوئی ان سے ملے یا نہ ملے۔ اِسی زمانہ میں انہوں نے حسب حال ایک شعر لکھا تھا :-

کرتا میں نہیں خوشامد خلق

حاتم ہوں ازل سے بے دیا ہوں

اور بجائے احباب کے ساتھ راہ و رسم کے قرار و ترقی کی کوشش کرنے کے وہ معرفت میں ارتقا حاصل کرنا چاہتے تھے چنانچہ اُس سال (یعنی ۱۱۳۸ھ میں) حسب ذیل شعر لکھا ہے :-

لے معرفت کے تو دریا کے دُر کے تئیں حاتم

خدا کرے تجھے اس بھر کا اگر غواص

رفتہ رفتہ حاتم نے آشناؤں اور قدردانیوں کا خیال ترک کر دیا۔ ایک جگہ تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ میں دولت مندوں کو موجود بھی نہیں سمجھتا۔ ۱۱۳۹ھ میں لکھا ہے :-

فقر کے کشور کی حق نے دی ہے مجھے کو سلطنت

صاحب دولت کو کب موجود کر بوجھوں ہوں میں

لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حاتم کسی سے بھی ملتے جلتے نہ تھے۔ ”دیوان زادہ“ ۴۴ میں تقریباً اسی زمانہ (یعنی ۱۱۵۱) کا لکھا ہوا ایک خط فاخر خاں بہادر کے نام موجود ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ حاتم کا جذبہٴ محبت بالکل مرنے نہیں گیا تھا۔ اور یہ بھی کہ اُن کے سب احباب غرضی نہیں تھے۔

نورالدولہ فاخر خاں بہادر سے حاتم کو دلی محبت تھی۔ ذیل کے منظوم خط میں انہوں نے جن بے لوث جذبات کا اظہار کیا ہے وہ ہر صاحب دل سے خراج تحسین حاصل کرنے کے مستحق ہیں۔ اُرد میں

بہت کم نظمیں ایسی ہیں جن میں سچے اور پاک جذبات اس
حلاوت اور خلوص کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔

”بدام نورالدولہ فاخر خان بہادر خلف نواب شمس الدولہ،

مشہور جنگ در سنہ ۱۱۵۱ ھ۔“

وہ رکھ ہے رات دن جو (ن) جان مجھ

جس اُپر دینا ہے جان آسان مجھ

اور بھی ہو چوں کماں حلقہ بگوش

اپنے اُپر گر کرے قربان مجھ

اُس گل رنگیں کے آگے چشم میں

خار سے لگتے ہیں سب خوبان مجھ

حق رکھ اُس کو سلامت ہند میں

جس سے خوش لگتا ہے ہندستان مجھ

ہوں تو حاتم‘ ہر گھڑی پر لطف سے

مول لیتا ہے گا فاخر خان مجھ

بے فکری اور فارغ‌البعالی کے ان چند ابتدائی سالوں کے بعد ہم کو

حاتم کی زندگی کے ایک ایسے دور کا بھی پتہ چلتا ہے جب کہ وہ

اپنے افلاس کو محسوس کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ یہ غالباً نادر شاہی

حملہ اور دلی کے عام تاخت و تاراج کا نتیجہ تھا۔ سنہ ۱۱۵۸ ھ

میں انہوں نے چند ایسے شعر لکھے ہیں جو اُن کی اس تکلیف کی

طرف اشارہ کرتے ہیں مگر جن سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تکلیف اور

پریشانی کے عالم میں بھی حاتم کی فطری بے پرواہی اور توکل مزاجی

نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا:—

تنگ دستی سے نہ ہو دل تنگ و حاتم تنگ چشم

دل تو نگر چاہیے تیرا تو کو مفلس ہوا

اگر حاتم جہاں میں منسل و بے ساز و ساماں ہے
 ولے مسدد نشینِ صحبتِ مسدد نشیناں ہے
 سو احتیاج ہو تو بھی طمع نہ رکھے حاتم
 تو اس کے پاس جو ہو تلگ چشم و دل کا خبیس (کذا)
 لیکن آئندہ دو تین سالوں میں اُن کی حالت غالباً بہتر ہوگئی -
 یا تو وہ منلسی کے عادی ہوگئے تھے یا درویشی و عرفان میں اُن کو
 زیادہ لطف آنے لگا تھا جب کہ وہ سنہ ۱۱۶۱ھ میں لکھتے ہوں :-
 اُٹھا کر خاک سے حاتم چڑھایا آسماں اُپر
 میرے اللہ نے! بلندہ نوازی اس کو کہتے ہیں
 بہت ممکن ہے کہ اس اثنا میں بعض حضرات نے حاتم کو منصب و
 جاگیر کا لالچ بھی دیا ہو لیکن وہ اپنی ہی طرز زندگی کو بہتر
 سمجھتے تھے چنانچہ سنہ ۱۱۶۲ھ میں کہتے ہیں :-
 دام سے منصب و جاگیر کے باز آ حاتم
 یہ دم نقد نہ کھو فکر محالات کے بیچ
 ہوا ہوں تربیت حاتم میں آزادوں کی صحبت میں
 پھروں ہوں تب تو ایسا بے غم و اندوہ و وارستہ
 اس کے بعد تین چار سال درویشانہ کسب کمال ہی میں گذرے ۱۱۶۶
 اور ۶۷ کے اشعار ہیں :-
 مرشد کامل سے یہ ارشاد ہے حاتم کے تئیں
 بے ادب ہو جو کہ پیر استاد سے بے پیر ہے
 ساز درویشی و سامان فقیری حاتم
 میری فہمید میں تلہائی و خاموشی ہے
 ۱۱۶۸ اور اس کے بعد کے دو ایک سال پھر حاتم پر سخت گذرے گو ان کی
 فطرت نے اس کی پرواہ نہ کی - چنانچہ اس زمانہ میں وہ لکھتے ہیں :-

مغلسی اور دماغ اے حاتم
 کیا قیامت کرے جو دولت ہو !
 فیض سے ہمت کے حاتم دل تونگر چاہیے
 مغلسی سے ان دنوں گو دست میرا تنگ ہے
 مرے احوال فقر کا مت پوچھہ
 زہد مثل فرید کرتا ہوں
 اپنے احسان خُلق سے حاتم
 آدمی کو عبید کرتا ہوں
 گھر کیا ہے ہم نے حاتم بر سرِ دارِ فنا

بہار میں ڈالیں گے لے کر منصب و املاک ہم
 اس سلسلہ میں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اب شاہ حاتم
 بادل علی شاہ کے تکیہ کی جگہ شاہ تسلیم کے تکیہ میں اپنا وقت
 گزارتے تھے۔ اسوقت غالباً بادل علی شاہ کا انتقال ہوچکا تھا۔ شاہ تسلیم
 جیسا کہ آزاد نے لکھا ہے ایک نیک مرد فقیر تھے اور شاعر بھی۔ اُن کا
 تکیہ دھلی میں راج گھات کے رستہ میں قلعہ کے نیچے ایک دلکشا اور
 پُر فضا مقام تھا۔ اس لیے اکثر شہر و سخن کے شائق وہاں صبح و شام
 جا کر بیٹھا کرتے تھے۔ حاتم خود فقیر تھے اور فقیروں کے معتقد۔
 چنانچہ بادل علی شاہ کے بعد انہوں نے شاہ تسلیم سے ربط و ضبط بڑھایا
 اور ۱۱۶۷ میں اُن کی نسبت اپنی ایک غزل میں لکھا ہے۔

کہ ہندستان کے درویشوں میں حاتم

ہے تسلیم و رضا میں شاہ تسلیم

اس تکیہ کی آمدورفت کے متعلق ہمیں ”مجالس رنگیں“ سے مفید
 اور دلچسپ مواد حاصل ہوتا ہے آزاد نے ”آب حیات“ میں رنگین کے
 حوالہ سے جو قصہ نقل کیا ہے اُس کی اصل فارسی عبارت

ہم رنگین ہی کے الفاظ میں یہاں نقل کر دیتے ہیں۔ تاکہ آزاد کا اصل ماحذ محفوظ ہو جانے کے علاوہ دونوں کا اختلاف بھی واضح ہو جائے:—

”مجناس اول در شاہجہاں آباد - از پنجہ سال ... (کرم خوردہ) حضرت شاہ حاتم شاہ صاحب کہ حاتم تخلص می فرمودند و در شعر استاد بندہ بودند مدام چہار گھڑی روز باقی ماندہ در تکیہ شاہ تسلیم شاہ کہ زیر قلعہ مبارک بادشاہی است تا شام نشستہ می ماندند - اکثر شاگردان و مردمان دیگر کہ در خدمت ارشاد داشتند ، انجا حاضر می شدند - روزے در ایام نومشتی ، بندہ در آن تکیہ بخدمت شاہ صاحب موصوف نشستہ بود ، محمد امان خان نثار تخلص ، و مردہ اکبر علی اکبر ، و لالہ مکندر اے فارغ ، و میاں غلام علی شاہ غلامی ، مرزا عظیم بیگ عظیم ، وغیرہ چند شاگردان و مردم دیگر حاضر بودند حضرت شاہ فرمودند کہ شب در خواب این شعر گفتہ بودم ، چوں بیدار شدم یاد ماند -

سر کو پتکا ہے کبھو سیلہ کبھو کوتا ہے

رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

چونکہ عالم جوانی بود ، در مزاج چالاکی بسیار و شعور کم بود - بے تکلف گستاخانہ عرض کردم کہ اگر مصراع ثانی را چلیں ارشاد فرمایند بہتر است -

سر کو پتتا ہے کبھو سیلہ کبھو کوتا ہے

ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے
بمجرد شنیدن دست بندہ را گرفته قریب خود کشیدہ
دست بر سر و سیلہ گردانده فرمودند کہ آفریں
و تحسین - انشاء اللہ تعالیٰ بعد چندے مشق ایشان
نہایت ترقی خواہد کرد - سبب این کہ در اول
ابتدائے مشق این حالت است و بطرف دیگران
مخاطب شدہ فرمودند - مثل ہندی ”ہونہار
برو کے چکلے پات“ لیکن باز بوقت تلہائی
بہ بندہ ارشاد کردند کہ در دیوان خود ہمیں قسم
خواہم نوشت لیکن باز این قسم حرکت نخواہند
کرد کہ از آداب نہایت دور است - در تلہائی اظہار
می کردند ایشان برائے تربیت در این جامی آید
ازین جہت آگاہ کردہ شد - “

(مخطوطہ انڈیا آفس لندن - ورق ۴ الف)

یہ واقعہ حاتم کی وفات کے کچھ ہی عرصہ پہلے کا ہے - انہوں نے
نہایت طویل عمر پائی تھی - درویشی اختیار کرنے کے بعد بھی حاتم
پچاس سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے - اس اثنا میں دنیا کی
سیاست نے متعدد پلٹے کھائے - دہلی تباہ ہو گئی اس کے گلی کوچوں
میں قتل عام ہوا ، اس کے تخت پر کئی بادشاہ آئے اور گئے - ہندوستان
کی قسمت میں انقلاب پیدا ہو گیا، بیسیوں شاعر اور صاحب کمال پیدا
ہوئے، بڑھے، نام پیدا کیا اور مر گئے یہ سب کچھ حاتم کی نظروں کے
سامنے گذرتا رہا مگر وہ صحیح معلوم میں دنیا میں موجود نہیں تھے
انہوں نے اس کو مدتوں پہلے ترک کر دیا تھا - گو دنیا نے اُن کا پیچھا

نہیں چھوڑا - کبھی عسرت و افلاس کی شکل میں اُن کے یہاں آکر سناتی؟ اور کبھی شاعرانہ چشموں اور ہمعصرانہ مخالفتوں کی صورت میں اُن کی خاموشی اور بے خودانہ کیف زندگی میں خلل ڈالتی - مگر آفریں ہے اُس شخص کی طویل اور پُر سکوت زندگی پر جس کی وجہ سے بیسیوں نوجوان شاعر بن گئے اور متعدد شاعر صاحب کمال ہو گئے - حاتم کی وفات کا ذکر چھوڑنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے وہ اشعار پیش کیے جائیں جو اُنہوں نے زمانہ کی خلل اندازیوں کے متعلق اپنے حسب حال لکھے تھے :-

جس وقت ہم مریں تو یہی دوستان لکھو

جائے جواب نامہ ہمارے کفن کے بیچ

یہی کہ یہ غریب زمانے کے ہاتھ سے

جا کر بسا تھا ' چھوڑ کے شہروں کو ' بن کے بیچ

اُس جا بھی آسماں نے نہ دی فرصت اس کے تئیں

مارا جلا کے آگ لگا تن بدن کے بیچ

چاہے تھا کچھ کہے کہ اسی دم میں ناگہاں

یوں آگئی اجل کہ دھي من کی من کے بیچ

حاتم کی تاریخ وفات کے متعلق اُردو تذکرہ نویسوں کے بیانات میں اختلاف ہے - آزاد اور حسرت موہانی نے دونوں خیال پیش کر دیے ہیں لیکن تحقیق و تفتیش نہیں کی اور نہ اپنے اوپر کوئی ذمہ داری لی ہے - بعض تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ حاتم نے ۱۱۹۱ میں انتقال کیا اور بعض کہتے ہیں کہ ۱۲۰۷ میں سب سے زیادہ تعجب اس واقعہ پر ہوتا ہے کہ مصحفی نے اپنے فارسی تذکرہ میں ایک تاریخ لکھی ہے اور اُردو میں دوسری - " عقد ثریا " ۱۱۹۹ھ کا مرتبہ ہے اُس میں حاتم کی وفات کا حسب ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے :-

”دریک ہزار و یک صد و نو دو ہفت در ماہ مبارک رمضان

رحلت کردہ - فقیر تاریخِ رحلتش چلنیں یافتہ -

حاتم آن پیشواے اہل سخن

کہ قدم در مقام فقر فشرود

حرفِ عمرش قضا بہ کزلگِ حک

چونکہ از صفحہ زمانہ سترود

سال تاریخش از خرد جستہ

ناگہ این مصرعہ بگوشم خورد

کہ بگو مصطفیٰ چو پر سندت

آہ صد حیف شاہِ حاتم مرد

مصطفیٰ کا ”تذکرہ ہندی“ فارسی تذکرے سے دس سال بعد یعنی

۱۲۰۹ھ میں لکھا گیا تھا - اس میں حاتم کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں

کیا ہے :-

”پیش ازین در تذکرہ فارسی احوال او معہ تاریخِ رحلتش

صورتِ تحریر یافتہ عمرِ قریب بصد رسیدہ بود - دو سہ

سال است کہ در شاہجہان آباد ودیعتِ حیات

سپردہ - خدائیش بیامرزد -“

حیرت ہے کہ مصطفیٰ ”تذکرہ ہندی“ میں اپنے قدیم تذکرہ کی تاریخ

کا ذکر کرتے ہیں لیکن دونوں تذکروں کے بیانات کے اختلاف کی طرف اشارہ

تک نہیں کرتے !

قرین قیاس یہی ہے کہ حاتم ۱۲۰۷ھ میں فوت ہوئے ”تذکرہ

ہندی“ بعد کا لکھا ہوا ہے اس لیے اُس کی تاریخ زیادہ مستند

ہو سکتی ہے - تذکرہ فارسی کے قطعہ تاریخ کی نسبت یہی کہا جاسکتا ہے

کہ شاید اُس وقت مصطفیٰ کو حاتم کی وفات کی غلط اطلاع

مل گئی ہو۔ چوں کہ وہ خود اُس وقت دہلی میں نہیں تھے اور حاتم بہت ضعیف العمر ہو گئے تھے اس لئے ان کی نسبت ایسی خبر سن کر اُس پر یقین کر لینا اور قطعہ تاریخ لکھنا بعید از قیاس نہیں۔ چوں کہ اکثر تذکرے وفات کے وقت حاتم کی عمر قریب سو سال کی بتاتے ہیں اس لیے ہمیں بھی ۱۲۰۷ھ کو صحیح ماننا پڑتا ہے۔

(۷)

— مذہب —

حاتم صحیح معلوم میں صوفی منہج درویش تھے۔ اُنہوں نے اپنے فطری ذوق کے اقتضا سے دنیا داری ترک کر کے فقر اختیار کیا تھا۔ اُن کے حالات اور کلام دونوں ان کے متوکل اور راضی برضائے خدا ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ان کی طبیعت کا یہ رجحان کچھ درویشی ہی کے زمانہ میں نہیں پیدا ہوا تھا جیسا کہ بعض تذکرہ نویسوں کا خیال ہے بلکہ عہد جوانی میں بھی جب کہ وہ عیش پسند امیروں اور بذلہ سلج ندیموں میں زندگی بسر کرتے تھے، اُن کے یہی خیالات تھے۔ سنہ ۱۱۳۷ھ میں کہتے ہیں:—

ہوتا ہے وہی، ہوگا وہی، روز ازل سے

حاتم میری قسمت میں جو تکریر ہوا ہے

کچھ نہیں چاہتا میں حاتم ہوں

مجھ کو ہر آن میں خدا بس ہے

اس قسم کے خیالات اُنہوں نے ایک قطعہ بند غزل میں بھی ظاہر کئے ہیں جو سنہ ۱۱۶۹ھ میں لکھی گئی تھی۔ اُس نظم میں بظاہر اُنہوں نے زاہد پر اپنی ترجیح کے اسباب پیش کئے ہیں مگر دراصل گویا خوف و رجا کے مسئلہ کو حل کیا ہے۔ نظم خیالات اور اسلوب دونوں کے لحاظ سے دلچسپ ہے، کہتے ہیں:—

اِسے کہیں ہیں ، سنا ہوگا شیخ ، خوف و رجا
 اُدھر تو توبہ ، اُدھر میں گناہ کرتا ہوں
 تو اپنے دل کی سیاہی کرے ہے دھوکے سپید
 میں اپنا نامہ عمل کا سیاہ کرتا ہوں
 تو روز سنگ سے مسجد کے سر پتکتا ہے
 میں اُس کا نقش قدم سجدہ گاہ کرتا ہوں
 تجھے ہے اپنی عبادت اپر نظر لیکن
 میں اُس کے فضل کے اوپر نگاہ کرتا ہوں

توکل اور انسان کی بے اختیاری حاتم کے مسلک کی روح رواں ہے ۔ اُن کے
 سارے کلام میں اسی کی مہک پائی جاتی ہے ۔ سنہ ۱۱۶۹ھ ہی
 میں انہوں نے ایک اور قطعہ بلند غزل لکھی ہے جس میں منازل
 عشق حقیقی و مجازی پر بحث کرتے ہیں ۔ اپنی بے خواہش اور
 قانع زندگی کی طرف اشارہ کرتے ہیں ، اور جس کو انسان کی بے
 اختیاری کے اظہار پر ختم کیا ہے :-

حاتم چلی بہار ، وترے دل میں اب تلک
 نے حسرتِ جنوں ، نہ تِمنائے یار ہے
 حیرت کی نے ہوس ، نہ ہوائے برہنگی
 نے رنگِ زرد ہے ، نہ تو زار و نزار ہے
 نے سوختہ جسگر ، نہ ترا سینہ داغدار
 نے خشک لب ، نہ دیدہ تر و اشکبار ہے
 نے پیرہن پھٹا ، نہ گریباں ترا ہے چاک
 زنجیر کی صدا سے نہ تو بے قرار ہے
 لوگوں کے پتھروں سے نہ سر کو ترے ہے ربط
 دیوانے کی طرح نہ تو کوچوں میں خوار ہے

نے شوق دشتِ گرمی ' و نے عزمِ سیرِ باغ
 نے گلِ ہر دستِ میں ' نہ کفِ پا میں خارِ ہ
 نے صبحِ آہِ سردِ ہ ' نے شامِ آہِ گرم
 نے دن کو نالہ ' رات نہ تو سوگوارِ ہ
 نے دردِ کی ' نہ ہجر کی لذت سے تجھ کو کام
 نے وصل کے مزے کا تو امیدوارِ ہ
 پھر عاشقی کے نام کو مارتا ہے بے شعور
 اِس کام میں غرض کہ تو نا کردہ کارِ ہ
 جو تھے فلونِ عشق ' سو ہم تجھ کو کہہ دیے
 ... کرم خوردہ... نظر میں لانہ لایہ ترا اختیارِ ہ
 سن کر کہا نہیں تو حقیقت سے آشنا
 تیری نصیحتوں سے مجھے ننگ و عارِ ہ
 سب منزلیں مجاز کی میں کر چکا ہوں طے
 میرے مقام کا تو یہ لیل و نہادِ ہ
 نے مرگ کی تلاش ' نہ جیلے کی آرزو
 نے فکِ عاقبت ' نہ غمِ روزگارِ ہ
 کیا جبرِ ہ کہ مجھ کو کہے تیرا اختیارِ ہ
 گو اختیارِ بندہ تو ہے اختیارِ ہ

استغنا اور اسبابِ ظاہری سے بے پرواہی کے علاوہ حاتم نے خدائے تعالیٰ
 کی قربت کی خواہش اور اُس کے لطف و کرم کی امیدواری
 کا اظہار بھی اکثر موقعوں پر کیا ہے۔ اِس قبیل کے ایک دو شعر
 یہاں پیش کیے جاتے ہیں:—

سنہ ۱۱۵۴ھ — امیدوارِ ہ درگاہ سے تیری حاتم
 کریم اپنے کرم سے اُسے نہ رکھے محروم

سنہ ۱۱۵۵ھ — حاتم جہاں کو جان کے فانی خدا کو چاہ

اللہ بس ہے اور یہ باقی ہے سب ہوس

”دیوان زادہ“ میں سنہ ۱۱۶۲ھ کی ایک قِصّہ بلند غزل ہے جس کا موضوع ”گورستان“ ہے اور جس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاتم کو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور بخشش پر یقین کامل تھا: —

ایک دن گذرا میں گورستان میں

دیکھ کر مُردوں کو آیا دھیان میں

یہ وہی سب ہیں کہ جن کے واسطے

حق نے سب پیدا کیا اک آن میں

یہ وہی ہیں صاحبانِ قصر و ملک

بے وطن اس جنگلِ ویران میں

کس طرح یہ جامہ زیبانِ جہاں

یوں پڑے ہیں خاک کے دامن میں

کیا کیا اس میں مت گئی ہیں صورتیں

کیا کیا اس میں ہیں بھرے ارمان میں

کون اس میں نیک ہے اور کون بد

کون خوش ہے؟ کون ہے زندان میں

کچھ نہیں معلوم اس پردے کے بیچ

کیا کریں ہیں؟ ہیں گے کس سامان میں

ہے قیامت ہوگا جس دن شورِ حشر

ہوئے گا کیا ان پر اس طوفان میں

تھا اسی غم میں کہ ناگاہ پیرِ غیب

کہہ گیا آہستہ میرے کان میں

تلخ مت کر زندگی اس فکر بیچ
 مت خلل لا اپنے تو اوسان میں
 رحمت حق سے نہیں کوئی نا امید
 دیکھ لے لا تقطو قرآن مہم
 سب طرح بخشے گا وہ غفار ہے
 گر ترے نقصان نہیں ایمان میں
 سنتے ہی دل کو تسلی ہوگئی
 پھر کے آئی جان میری جان میں
 کچھ بھروسا زیست کا حاتم نہ کر
 ہے اگر تو خلقت انسان میں

اس موقع پر اس واقعہ کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ۱۱۶۵ھ سے قبل
 ہی حاتم کی شہرت شاعر اور با خدا درویش کی حیثیت سے تمام
 ہندوستان میں عام ہو چکی تھی۔ چنانچہ اسی سال دکن میں اردو شاعروں
 کا ایک تذکرہ ”گلشنِ گفتار“ لکھا جاتا ہے جس میں حاتم کا اپنے موقعہ
 پر ذکر کرنے کے علاوہ مصلح نے ابتدا میں بھی بطور تبرک نام لیا ہے۔
 اور ان کی ایک مثنوی نقل کی ہے جو حمد و نعت اور ملقبیت میں
 ہے۔ یہ مثنوی ”دیوان زادہ“ میں موجود نہیں ہے۔ ”گلشنِ گفتار“
 خواجہ حمید خان اورنگ آبادی کی تصنیف ہے۔ اور حاتم کی زندگی
 ہی میں ”دیوان زادہ“ کی ترتیب سے ۱۴ سال پہلے لکھی گئی ہے۔
 اس اہم کتاب کو گذشتہ ہی سال مولوی سید محمد صاحب ایم اے
 استاد اردو سستی کالج حیدرآباد نے ایک مفید مقدمہ اور حاشیوں کے ساتھ
 مکتبہ ابراہیمیہ سے شایع کیا ہے۔ اسی تذکرہ سے حاتم کی متذکرہ بالا مثنوی
 یہاں نقل کی جاتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے ایک تو حاتم کے مذہبی رنگ
 کا اندازہ ہوتا ہے دوسرے ان کے ابتدائی کلام کا اسلوب بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

اس کی زبان اور ترکھیں واضح کرتی ہیں کہ دہلی میں اردو شاعری کی ابتدا اول اول دلی کے کلام کی ہو بہو تقابہد میں کی گئی تھی:—

الہی داغ سین دل کو جلا دے

برہ کی آگ مجھہ تن میں لگا دے

جلا جیوں پہلجڑی مجھہ ناتواں کو

شرر لبریز کر ہر استنخسواں کو

فلما کر عشق میں یہ جان بے تاب

کہ جیوں آتش میں گھٹ جاتا ہے سیماب

دھے منظور اک معشوق کی ذات

بطوف کعبہ و سیر خرابات

بہ آپ مے نہانا آرزو ہے

نماز بے خودی کا یہ وضو ہے

پڑے ہیں زخم بے تابی کے ناسور

بآپ تاک دھو مجھہ دل کے انکور

کہ ہو ست آپ سین یکبار جاؤں

پیپر کی صفت کرنے کو دھاؤں

محمّد صاحب ایجاد ایماں

کہ جس کی شان میں آیا ہے قرآن

سر و سردار جگ کے سروروں کا

جماعت دار سب پیغمبروں کا

دکھہ ہیں جس کے دروازے پہ موسیٰ

سعادت جان درباری کا عاصا (عصا)

مسیتھا ناک گھس تجھہ آستان پر

دماغ اپنا چڑھایا آسمان پر

کئے سب انبیا اس آرزو میں
 ددا اس رنگ کی کملی کسو میں
 انر سد رہ ستیں ہر پیر جبریل
 کیا علم حقیقت خوب تحصیل
 سرور سرور بابا سلیمان
 چلا جن و پری پر اس کا فرمان
 وہی تھا نور تہرا سات اُس کے
 انگوٹھی نام کو تھی ہات اُس کے
 سُلایا خاک میں اعدائے دیں کو
 جٹایا دین ختم المرسلین کو
 نہ اس کے ہات سیف دو زباں ہے
 شجاعت اور تہور تو عیاں ہے
 نبی بوجہ اس کا درش اُوپر سنبھالا
 ہوا رتبہ امامت کا دوبالا
 قلا (قلعہ) خیبر اتھا رھیکا ترا شور
 یداللہ نے دکھایا معجزہ زور
 قلا گھر توڑ کر قالی لڑائی
 ہزیمت کافراں خندق پہ کھائی
 قضا کے راج کی صنعت گری دیکھ
 نبی کے گھر کی یہ بارادری دیکھ
 خدا کے نور کا مت کر سمندر
 یہی چودہ رتن کارے ہیں باہر
 اگر فہمیدہ حکمت آشنا ہے
 اسی نسخے میں چودہ بدیا ہے

نبی کی آل پر سے وار جانا

اسی بارہ پلے سپں پار جانا

اس نظم کا آخری حصہ حضرت علی اور اُن کے خاندان مبارک کے ساتھ عقیدت و محبت کا مظہر ہے۔ حاتم کے اکثر اشعار کا موضوع تولائے آل نبی ہے۔ چنانچہ اس قسم کے بعض اشعار یہاں تاریخ وار درج کیے جاتے ہیں:—

سنہ ۱۱۳۹ ھ — دل نہاں پھرتا ہے حاتم کا نجف اشرف کے گرد

گو وطن ظاہر میں اُس کا شاہجہان آباد ہے

سنہ ۱۱۴۶ ھ — حاتم ہوا ہوں آل نبی کی پداہ میں

دنیا و دیں کے غم سے نہیں کچھ خطر مجھ

سنہ ۱۱۵۶ ھ — شاہ مرداں کی شجاعت میں یقیں سے حاتم

قصۂ حیدری و دیکھ لے حیدر نامہ

سنہ ۱۱۶۹ ھ — نہ میں سہلی نہ شیعہ نے کافر

ایک لعن یزید کرتا ہوں

اُسی سال یعنی ۱۱۶۹ ھ میں حاتم نے ایک ایسی غزل بھی لکھی

ہے جس کا زیادہ تر حصہ ایک قطعہ پر مشتمل ہے۔ یہ قطعہ

حضرت امام حسن و حسین کے ماتم میں لکھا گیا ہے۔ چونکہ

شاعری کے لحاظ سے بھی دلچسپ ہے یہاں نقل کیا جانے کا

مستحق ہے:—

ایک دن سیرِ گلستان کو گیا تھا حاتم

دیکھتا کیا ہے کہ یک دشت ہے کانتوں کی بنی

بعد نالں ہے اُدھر، ابر اُدھر گریہ کنان

سانس ٹھنکی سی اُدھر لے ہے نسیم چمکی

جھب گل چاک ' اُدھر غلچہ گرفتہ خاطر
 بلبلِ غمزہ کرتی ہے اُدھر نعرہ زنی
 بر میں ہے آج اُدھر سرو کے پیراہن سبز
 پہن بیتھی ہے اُدھر فاختہ بھگواں کفنی
 باغبانوں سے جو پوچھا کہ یہ کیا باعث ہے
 کہا دو کر کہ یہ ماتم ہے حسین و حسنی

(۸)

— احباب اور شاگرد —

حاتم بھی اپنے ہم مشرب بزرگوں کی طرح اپنی خلدہ پیشانی؟
 اخلاص و مروت اور یاریاشی میں شہرت رکھتے تھے۔ گو اُن کے دوستوں کی
 تعداد زیادہ نہیں تھی لیکن جب کسی سے انہوں نے ربط پیدا کر لیا اس
 کو مدتوں نباہ دیا۔ اس واقعہ کا ذکر اوپر گذر چکا ہے کہ جب حاتم نے
 ملازمت ترک کر کے درویشی اختیار کی تو ان کے بعض غرضی دوست اُن سے
 جدا ہو گئے۔ حاتم کو اس کا احساس ضرور ہوا۔ وہ بے دوست زندگی کو بے
 لطف سمجھتے تھے۔ چنانچہ ”دیوان زادہ“ کی دوسری ہی غزل میں
 لکھتے ہیں :-

میں ایک روز چلا جائے تھا بیاباں کو
 خراب و خستہ و حیراں و ناتواں تنہا
 جو اُس میں حضرت صایب نے مجھ کو فرمایا
 کہ دیکھتا ہوں میں تجھے کو جہاں نہاں تنہا
 نہ ہوویں یار تو کیا زندگی ہے اے خاتم
 ”چہ حظ کلد خضر از عمر جاوداں تنہا“

یہ شکایت اُن کو غالباً ہمیشہ نہیں رہی۔ اُن کی اخلاقی وسعت اور
 باطنی کمال نے اُن کے بہت سے احباب اور معتقد پیدا کر دیے تھے۔

نواب فاخر خاں سے اُن کو جو تعلق خاطر تھا اُس کا ذکر گذر چکا ہے ۔
 بادل علی شاہ اور شاہ تسلیم کے ساتھ اُنکا خلوص و عقیدت بھی ظاہر ہو چکا ہے ۔
 ”مجلس رنگیں“ کی جو طویل فارسی عبارت نقل کی گئی ہے وہ بھی
 شہد ہے کہ کس طرح حاتم کے یہاں اہل ذوق جوق در جوق جمع ہوتے
 تھے اور اگر نرجوان شاگردوں سے بے ادبی یا خلاف آدابِ مجلس کوئی
 حرکت سرزد ہو جاتی تو حاتم کس خوبی کے ساتھ اس کی تادیب
 کرتے ۔ یہی وجہ ہے کہ ”تذکرہ گلشنِ گفتار“ میں جو ان کی وفات سے
 ۲۲ سال پہلے دکن میں تصلیف کیا گیا تھا ان کی نسبت لکھا ہے :-
 ”مرد صاحبِ ہمت و طبیعت عالی دارد“

اگرچہ شاہ حاتم کی نشست گاہ خود مرجعِ احباب تھی مگر وہ بھی خاص
 خاص اشخاص کے یہاں کبھی کبھی ہو آتے تھے ۔ خصوصاً مشاعروں میں
 جانا تو آخر عمر تک ترک نہیں کیا تھا ۔ چونکہ عمر اور مشقِ شاعری
 کے لحاظ سے اپنے تمام ہمعصروں میں فضیلت رکھتے تھے اُس لیے ہر جگہ
 اُن کی کما حقہ عزت بھی ہوتی تھی ۔ مصحفی نے اپنے فارسی تذکرہ میں
 لکھا ہے ”نام نامیہ از بس شہرت بسیار مذکور زبانِ صغار و کبار :-“
 اور پھر اُردو تذکرے میں واضح کرتے ہیں کہ کس طرح حاتم اُن
 کے مشاعروں میں آتے اور عہدِ گذشتہ کا ذکر چھیڑتے ۔ کہتے ہیں :-
 ”در ایامی کہ فقیر در شاہجہان آباد طرحِ مشاعرہ انداختہ
 اکثر بعدِ منرب در مشاعرہ قدم رنجہ فرمودہ
 در مجلس نشستہ زمانہ سابق خود را می
 ستودہ -“

اپنے ہم عصروں میں حاتم کو سیدِ ہدایت علی خاں ضمیر سے
 خاص تعلق تھا ۔ یہ دہلی کے رہنے والے نصیر الدولہ بخشی الملک
 اسد جنگ کے خطاب سے سرفراز اور نواب شجاع الملک محمد علی

وردی خاں مہابت جنگ کے عزیز تھے - کچھ عرصہ کے لیے عظیم آباد گئے تھے جہاں اپنی شجاعت و سخاوت کی وجہ سے خاص شہرت حاصل کی - نواب علی ابراہیم خاں لکھتے ہیں :—

”چندے بصوبہ داری عظیم آباد بہ نیک نامی گذرانیدہ
آخر بلما بر فقرات کہ تفصیل آن تطویل می
خواهد در دہلی و اطراف آن بحصول بعضی خدمات
بادشاہی بکم و ناکامی بسر بردہ - اوایل ساطنت شاہ عالم
بادشاہ باز بعظیم آباد آمدہ رحل اقامت انداخت
و در حسین آباد برحمت الہی پیوست - گاہے بموزنی
طبع شعر ریختہ و فارسی می گفت -“
(مخطوطہ برتیش میوزیم)

گارساں دتاسی نے ضمیر کی ایک نظم ”ہولی“ کی بڑی تعریف کی ہے اور فرانسہسی میں اس کا ترجمہ بھی کیا - یہ ترجمہ پیرس کے بلند پایہ رسالہ ”ژرنال دے ساواں“ (جریدہ علماء - سہ ۱۸۳۲ ع صفحہ ۳۸۵) میں شائع ہوا تھا - گویا آج سے تھیک ایک سو سال پہلے - ”تاریخ ادبیات ہندی و ہندستانی“ میں بھی یہ ترجمہ منقول ہے - (جلد سوم صفحہ ۳۳۰) جس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقعی ضمیر نے ایک دلچسپ نظم لکھی تھی - ضمیر اور خانم کے ربط میں ترقی در اصل اس وقت ہوئی تھی جب کہ اول الذکر عظیم آباد کی صوبہ داری چھوڑ کر دہلی واپس ہوئے تھے - ”دیوان زادہ“ میں کئی غزلیں ایسی ہیں جو ضمیر کی فرمایاں پر لکھی گئی ہیں - ان میں پانچ ایسی بھی ہیں جو ضمیر ہی کی زمین میں کہی گئیں - اس قسم کی پہلی غزل ۱۱۶۲ھ کی تصنیف ہے - اس کا پہلا مصرع ہے :—

اس معرکہ میں کس کو ہے جرأت جو مر سکے

اسی غزل کے مقطع میں حاتم نے ضمیر کی شاعری کی تعریف بھی کی ہے جو اس لئے قابل قدر ہے کہ تمام ”دیوان زادہ“ میں صرف ایک دو ہی شعر ایسے ملتے ہیں جن میں کسی شاعر کی تعریف کی گئی ہو۔ حاتم کہتے ہیں :-

حاتم قسم ہے ایسی غزل اس زمیں میں فکر

جز صاحب ضمیر کے کوئی نہ کر سکے

۱۱۹۲ھ ہی میں ضمیر کی فرمائش پر انہی کی زمیں میں شاہ صاحب نے ایک اور غزل لکھی ہے جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے :-

اے خرد ملدو مبارک ہو تمہیں فرزانگی

بعد کے مسلسل تین سالوں میں بھی حاتم نے تین غزلیں ضمیر کی زمیوں میں لکھی ہیں جن کے پہلے مصرعے یہ ہیں :-

سنہ ۱۱۹۳ھ — دیکھ اس گلو کو دل کیوں کر نہ ہووے باغ باغ

سنہ ۱۱۹۴ھ — یک تماچے میں کبودی کردیا رنگِ فلک

سنہ ۱۱۹۵ھ — کیوں کر نہ کرے آج مرا جلوہ گری رنگ

حاتم کے ایک دوست اشرف علی خاں فغاں تھے۔ جو مرزا علی خاں زنکنہ کے فرزند اور شیخ علی قلی ندیم کے شاگرد تھے۔ احمدشاہ بادشاہ کے کوکہ اور خوش طبع ہونے کی وجہ سے کوکہ خاں ظریف الملک کے خطاب سے بھی سرفراز تھے۔ ضمیر کی طرح یہ بھی عظیم آباد گئے تھے۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ حاتم کے یہ دونوں دوست اُسی نواح میں فوت ہوئے۔ اُردو کے مطبوعہ تذکروں میں فغاں کے تفصیلی حالات موجود ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ ہم عصر تذکرہ نویسوں میں انکثروں سے فغاں کی دوستی تھی۔

”دیوان زادہ حاتم“ کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ حاتم اور فغاں میں

گہرا تعلق خاطر تھا - اور جب تک فغاں دہلی میں رہے یہ میل جول برابر قائم رہا - ضمیر کی طرح فغاں بھی شاہ صاحب کی شاعری کے قدردان تھے اور ان سے غزلوں کی فرمائش کیا کرتے تھے - لیکن خود حاتم اپنے دوست فغاں کے کمال شاعری کے کچھ کم معترف نہیں تھے - انہوں نے ایک غزل میں سنہ ۱۱۶۲ھ میں لکھا ہے :-

ہند کی گشتگو انوکھی ہے

چرب ہے سب اوپر یہاں کی زباں

خوب گو سب ہیں لیکن اے حاتم

سب سے ہے خوب تر فغاں کی زباں

حاتم نے کسی اور ہم عصر کی شاعری کی استقدر تعریف نہیں کی -

فغاں کی زمیٹوں میں حاتم کی جو غزلیں ”دیوان زادہ“ میں

موجود ہیں ان کی تاریخ وار فہرست یہ ہے :-

۱ - سنہ ۱۱۵۹ھ — تیرے ستم کی غیر سے فریاد کیا کروں

۲ - ,, ۱۱۶۱ھ — گر تجھ سے دل آزار سے دل یار نہوتا

۳ - ,, ,, — جو ذائقہ سے درد کے دل آشنا نہیں

۴ - ,, ۱۱۶۲ھ — وہ چشم سیمہ راہ میں جاتے نظر آیا

۵ - ,, ۱۱۶۲ھ — ہمارا دل اگر شیدا نہ ہوتا

۶ - ,, ۱۱۶۶ھ — کہ ہنسے کو ترستا ہے مرا دل

شاہ حاتم کے دوستوں کے سلسے میں میر اسلم کا نام خاص طور پر

قابل ذکر ہے - یہ صاحب غالباً بڑے شاعر نہیں تھے - تذکروں میں ان کا ذکر

موجود نہیں - لیکن یہ حاتم کے خاص دوست تھے اور ایسے درست جن

کی تعریف میں شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

دوست مشفق بہت ہیں یارو ولے حاتم کا دل

خاص کر اکثر رہے ہیں میر اسلم کی طرف

”دیوان زادہ“ میں غزل نمبر ۲۶۵ انہی میر اسلم کی زمین میں سنہ ۱۱۶۲ھ میں لکھی گئی۔ اسکا پہلا مصرعہ یہ ہے:—

بہت سے باغ میں دیکھے ہیں ہم سرو

ان چند احباب کے ذکر کے بعد شاگردوں کے ساتھ شاہ حاتم کے تعلقات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ سب تذکرہ نویس مانتے ہیں کہ شاہ حاتم اپنے شاگردوں کے ساتھ ہمیشہ متصفانہ اور مساریانہ سلوک کرتے تھے۔ کبھی اپنی استاد پر بے جا تعلی نہیں کی اور نہ استحقاق بزرگی کا اظہار کیا۔ ان کے شاگردوں کی فہرست طویل ہے مگر جو کسی نہ کسی وجہ سے اہمیت رکھتے ہیں ان کے نام یہ ہیں:—

مرزا رفیع سودا، مرزا سلیمان شکوہ، عبدالرحمن تاباں، سعادت یار خاں رنگیں، محمد امان نثار، بقاء اللہ خاں بقا، لالہ مکند لعل فارغ، مردھے علی اکبر اکبر۔

ان میں سب سے زیادہ مشہور شاگرد سودا ہیں جن پر حاتم کو بجا طور پر فخر تھا۔ چنانچہ تذکرہ قدرت اللہ خاں قاسم کے حوالہ سے منشی کریم الدین نے لکھا ہے:—

”نظر انصاف اس کی کا کیا حال لکھوں۔ ہدایت اللہ

خاں ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ بارہا میں نے سنا ہے

کہ حاتم یہ شعر پڑھا کرتا تھا:—

از ادب صایب خموشم ورنہ در ہر وادی

رتبۂ شاگردی من نیست استاد مرا

اور کہا کرتا تھا کہ یہ شعر میری استاد پر اور مرزا

رفیع کی شاگردی کے حق میں ہے۔“

حاتم کے دوسرے قابل ذکر شاگرد میر عبدالرحمن تاباں ہیں۔ ان کے

مترعلق اردو تذکروں میں بہت سی معلومات موجود ہیں۔ اس لیے یہاں

صرف حاتم کے ساتھ ان کی عقیدت اور اُن پر حاتم کی مخصوص نظر عنایت کا ذکر کافی ہے۔ تابان کی ذہنی نشو و نما دراصل حاتم ہی کی عملی آبیاریوں کی مملون احسان ہے۔ حاتم نے ایک سے زیادہ شعروں میں تابان کا ذکر کیا ہے اور ان شعروں کے سنیوں تصنیف پر غور کرنے سے تابان کی تاریخ پیدائش اور عمر وغیرہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

میر اور گردیزی کے بیانات کے مطابق تابان سنہ ۱۱۱۵ھ سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔ لیکن تھیک تاریخ وفات کا علم نہیں ہے۔ علی ابراہیم خاں اور علی لطف لکھتے ہیں کہ محمد شاہ کے عہد حکومت میں تابان فوت ہوئے۔ یعنی سنہ ۱۱۶۱ھ سے پہلے۔ حاتم کے ”دیوان زادہ“ میں ایک شعر ایسا موجود ہے جو سنہ ۱۱۵۷ھ میں لکھا گیا ہے اور جس میں تابان کو زندہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں:—

ریختہ کے فن میں میں شاگرد حاتم کے بہت
پر توجہ دل کی ہے ہر آن تابان کی طرف

اس سے واضح ہوتا ہے کہ تابان کا انتقال سنہ ۱۱۵۷ھ اور سنہ ۱۱۶۱ھ کے درمیانی زمانہ میں ہوا ہے۔ اس شعر سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ تابان آخر عمر تک حاتم کے شاگرد رہے۔

اردو تذکروں میں تابان کے تلمذ کی نسبت اختلاف خیال پھیلا ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مظہر کے شاگرد تھے اور بعض سودا کا نام پیش کرتے ہیں۔ اکثروں نے لکھا ہے کہ آخر میں محمد علی حشمت کی شاگردی اختیار کی۔ اور پھر یہ بھی خیال پایا جاتا ہے کہ محترم علی خاں حشمت ان کے استاد تھے۔ غرض جتنے ملکہ اتنی باتیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تابان اصولی طور پر اگر کسی کے شاگرد کہے جاسکتے ہیں تو وہ حاتم ہی کے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں انہوں نے دوسرے شاعروں سے بطور ہم عصر اپنے کلام کے نسبت مشورہ کیا ہو۔

برتھس میوزیم لندن میں تابان کا ایک نفیس دیوان موجود ہے۔ اٹلائے مطالعہ راقم نے اُس پر چند اشارے جمع کر لیے تھے۔ اس وقت مفسرنِ ہذا کی تیاری کے لیے جب ان کاغذوں پر نظر ڈالی گئی تو تابان کے چند ایسے اشعار بھی مل گئے جو اس مسئلہ کو قطعی طور پر حل کر دیتے ہیں۔ ان میں کچھ شعر تو وہ ہیں جن میں تابان نے حاتم کے مصرعوں یا غزلوں کی طرف اشارہ کیا ہے یا انہی کی تضمین کی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:—

کہا ہے دیکھہ تابان راست اُس خوش قد کو حاتم نے
اھا ها ها ، اھا ها ها ، اھا ها ها ، اھا ها ها

تابان خزاں کے آنے کی حاتم سے سن خبر

بلبل اُٹھی پکار چمن سے کہ ہائے گل

تابان کی طرف حاتم کی مستقل توجہ کے متعلق شاہ صاحب کا ایک شعر ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔ اُس زمین میں وہ دیوان تابان “میں بھی ایک شعر ملتا ہے جو گویا حاتم کے اس متذکرہ شعر کا نہایت مناسب اور واضح جواب ہے۔ تابان کہتے ہیں:—

اور ہی رتبہ ہوا ہے تب سے اس کے شعر کا

جب سے حاتم نے توجہ کی ہے تابان کی طرف

حاتم کے جواب میں یہ شعر یقیناً سنہ ۱۱۵۷ھ کے بعد لکھا گیا ہے۔ گویا تابان کی وفات سے دو تین ہی سال قبل۔ ایسی صورت میں یہ خیال بالکل غیر صحیح معلوم ہوتا ہے کہ تابان نے آخر زمانہ میں حاتم کی شاگردی ترک کر دی تھی۔

اسی سلسلہ میں تابان کے اُس شعر کا ذکر بھی ضروری ہے

جس میں وہ حاتم کو اُردو کا بے نظیر استاد مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:—

ریختہ کیوں نہ میں حاتم کو دکھاؤں تاباں

اس سوا دوسرا کوئی ہند میں اُستاد نہیں

یہ شعر بہت ممکن ہے اُن معترضین کے جواب میں لکھا گیا ہے جو تاباں کو حاتم کی شاگردی سے منکر کرنا چاہتے تھے۔

آخر میں ہم حاتم کا وہ شعر پیش کرتے ہیں جو تاباں کے زمانہ پیدائش پر روشنی ڈالتا ہے اور اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ وفات کے وقت اُن کی عمر کیا ہوئی۔ سنہ ۱۱۳۵ھ زمیں حاتم لکھتے ہیں:-

فیض صحبت کا تری حاتم عیاں ہے ہند میں

طفل مکتب تھا سو عالم بیچ تاباں ہو گیا

ہم نے اوپر ظاہر کر دیا ہے کہ تاباں سنہ ۱۱۶۱ھ سے پہلے اور ۱۱۵۷ھ کے بعد فوت ہوئے۔ اگر ہم سنہ ۱۱۶۰ھ کو اُن کی تاریخ وفات فرض کریں تو حاتم کا یہ شعر تاباں کی وفات سے گویا پچیس سال پہلے لکھا گیا۔ اس موقع پر یہ امر قابل غور ہے کہ تمام اردو تذکرے اس واقعہ پر متفق ہیں کہ تاباں نے عذنوان شباب میں انتقال کیا۔ عذنوان شباب سے تذکرہ نویسوں کی مراد غالباً یہی ہے کہ چالیس سال کی عمر سے پہلے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص چالیس سال سے زیادہ کی عمر میں فوت ہو تو اس کو جوان مرگ نہیں کہہ سکتے۔

ان دونوں واقعات کے ملانے سے جو کوئی نتیجہ نکلا جاسکتا

ہے وہ یہی ہے کہ اگر تاباں نے سنہ ۱۱۶۰ھ (یا اس کے قریبی زمانہ) میں تقریباً چالیس سال کی عمر میں انتقال کیا تو سنہ ۱۱۳۵ھ میں اُن کی عمر ۱۵ سال قرار پاتی ہے اور اس طرح اُن کی تاریخ پیدائش غالباً سنہ ۱۱۲۰ھ کے قریبی زمانہ میں معین ہو سکے گی۔ شعر کے لفظی

معذوں پر غور کرنے سے بھی یہی خیال ثابت ہوتا ہے - اور ”طفل مکتب“ کا اشارہ تو اس امر کا بھی امکان پیدا کر دیتا ہے کہ تاباں کی عمر اس شعر کی تصنیف کے وقت ۱۵ سال سے بھی کم ہو گئی -

آخر میں اس واقعہ کا ذکر بھی ضروری ہے کہ حاتم نے اپنے شاگرد کی زمین میں بھی ایک غزل کہی ہے - اور وہ اس غزل پر سرخی سے یہ لکھتے ہوئے نہیں شرماتے کہ ”بر زمین تاباں“ حاتم نے یہ غزل سنہ ۱۱۵۸ ھ میں (گویا تاباں کی وفات سے ایک دو سال قبل) لکھی تھی - اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے -

واعظ نہی کو امر کہے امر کو نہی

سودا اور تاباں کے علاوہ حاتم کے بیسیوں اور شاگرد تھے - اور ان سب کے ساتھ شاہ صاحب کا برتاؤ مساویانہ اور منصفانہ تھا - ان کی طبیعت اور مشرب کا اقتضا ہی یہ تھا کہ وہ ہر کس و ناکس کے ساتھ خلدہ پیشانی اور مروت و اخلاق کے ساتھ پیش آتے - وہ نہ صرف میر درد کی طرح ذاتی بزرگی اور صوفیانہ روش کی وجہ سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے بلکہ مرزا مظہر کی طرح حُسنِ کُراۓ ذوق اور خوش طبعی کے باعث نوجوان طبقہ میں بھی مقبول تھے - ایک طرف نواب عمدۃ الملک امیر خاں اور اشرف علی خاں فغاں جیسی ظریف اور بذلہ سنج ہستیوں کا اثر تھا تو دوسری طرف بادل علی شاہ اور شاہ تسلیم جیسے بے ریا درویشوں کے فیضِ صحبت سے بھی بہرہ مند ہوئے تھے - یہی حال اُن کے کلام کا بھی ہے جس پر آئندہ صحبت میں تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی - جہاں آزادی خیال اور نزاکت مضمون میں حاتم کی شاعری مظہر، یقیناً، اور تاباں سے ملتی جلتی ہے وہیں

تصوف کی چاشنی اور کائنات کے متعلق اپنے خاص نقطۂ نظر کے لحاظ سے درد، میر، اور نظیر کے کلام کے پہلو بہ پہلو ہے۔ بہت کم شاعر ایسے ہوئے ہیں جن کے حالات زندگی اور خصوصیات شعر میں اس حد تک مماثلت رہی ہو!
